احساسات

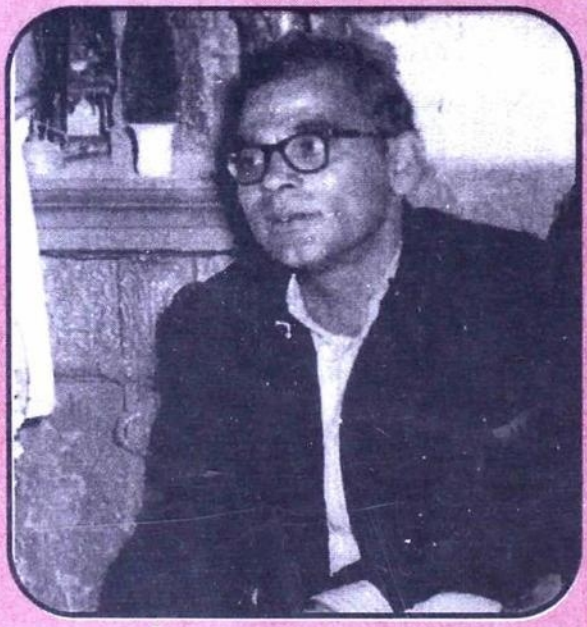

سیّد اولاد علی رضوی (ساقی لکھنوی)

احساسات

سیّد اولاد علی رضوی
(ساقی لکھنوی)

پیغام شوق:

یہی ہے وقت کہ پیغام شوق پہونچادیں

دیوالی:

وہ ایک رسم سہی پھر بھی فرض ہے اپنا

شمیم کرہانی قطعہ تاریخ:

وہ ایک شاعر فطرت وہ ایک ادیب عظیم

روز عید:

عید کا روز ہے بکھری ہے فضائے گلشن

امتحان:

ہماری غیرت قومی کا امتحان نہ لے

ہندوستان:

کون گستاخ تھا ناواقف آداب چمن

آرزو صبح آزادی:

عروس نو کی طرح نکلی اپنے حجرے سے

تقاضہ ہے یہی ہر دم نیاز مندی کا
لگالوں بڑھ کے میں آنکھوں سے آپ کا دامن
انھیں کو صبح مسرت نصیب ہوتی ہے
گذاردیتے ہیں ہنس بول کے جو شام محن
نہ جانے کیسا فریب جمال کھایا ہے
ہمارا ہو کے ہمار اہوا ہے دل دشمن
نجات مل گئی دینا کے سب بکھیڑوں سے
جنوں نے تھام لیا ہے خرد کا اب امن

---

(۳۱)

غزل

کیوں لوح دل سے نقش محبت مٹادیا
روشن تھا اک چراغ اسے بھی بجھادیا
جو کچھ نہ کہہ سکے تھے زباں سے تم آج تک
وہ سب تمھاری نظروں نے مجھکو بتا دیا

اس نے کبھی نہ یاد کیا ہم کو بھول کر
جس کے لئے خود اپنے کو ہم نے بھلادیا
اب آنچ آنے پائے نہ گلشن پہ دیکھنا
اے برق میں نے اپنا نشیمن جلا دیا
بھٹکیں گے راہ عشق کے رہرو ہمارے بعد
تم نے ہمارا نقش قدم کیوں مٹادیا
سینے میں بار بار دھڑکتا ہے اب بھی دل
کیونکر کہوں کہ آپ نے مجھکو بھلادیا
ایسے بھی مہرباں ہیں مرے اس جہان میں
بھرنے لگا جو زخم تو نشتر لگا دیا
اے دوست آنے والا زمانہ بتائیگا
کس نے وفا کے نام پہ دھبہ لگادیا
پروانۂ امید کا ہوگا نہ خون اب
اچھا کیا چراغ محبت بجھا دیا
مدت سے تھا جو بچھڑا ہوا یوسفِ زماں
پائے طلب نے پھر مجھے اس سے ملادیا

دن رات ہم نے کھیل کے آغوش موت میں
جینے کا آج تم کو سلیقہ سکھا دیا
دنیا کا اصل روپ ہے اب میرے سامنے
پردہ پڑا تھا آنکھوں پہ تم نے اٹھا دیا
ساقی اٹھا جو در سے تیرے ہو کے نامراد
امید کا بھلا ہو پھر اس نے بٹھا دیا

---

(۳۲)

غزل

بلبل کا نالہ برق کا قلب تپاں ملے
تم چاہو تو ہمیں بھی غم جاوداں ملے
جس راہ سے بھی اہل وفا کا گذر ہوا
اس راہ میں ہمارے قدم کے نشاں ملے

منزل شناس ان میں سے کوئی نہیں ملا
یوں تو ہر ایک موڑ پر سو کارواں ملے

آئی کبھی ہنسی تو رلا کر چلے گئے
ایسے بھی زندگی میں ہمیں مہرباں ملے

یوں عالم خیال میں اکثر وہ ملتے ہیں
جیسے زمیں سے جا کے کہیں آسماں ملے

بڑھتے ہوئے قدم نہ رکے گرچہ راہ میں
کانٹے کہیں ملے کہیں سنگ گراں ملے

اے دل نہ یوں تڑپ کہ تمسخر کے واسطے
دنیا کو تازہ پھر نہ کوئی داستاں ملے

اس غم نصیب کو غم دوراں کی فکر کیا
سائے میں تیری زلف کے جس کو اماں ملے

جن کو ہماری فکر سے زاہد ہے اپنی فکر
اپنے نصیب سے ہمیں وہ پاسباں ملے

ہو جاتے آپ ہی جو مداوائے رنج و غم
وہ زندگی نواز ہمیں غم کہاں ملے

آئی کسی کی دوستی ہم کو کبھی نہ راس
ہم کو ملے جو دوست وہ ایذا رساں ملے
اے دل میں کیا کروں مجھے اتنا بتادے تو
راہ حرم میں اس کا اگر آستاں ملے
ساقیؔ وہ بدنصیب ہے جس کے لئے سدا
یاروں کی آستینوں میں خنجر نہاں ملے

---

(۳۳)

غزل

غیر کے غم میں انھیں نالہ کناں دیکھا ہے
جیتے جی ہم نے قیامت کا سماں دیکھا ہے
مجھ سے پوچھو میں بتاؤں تمھیں کیا ہے دنیا
تم نے نزدیک سے دنیا کو کہاں دیکھا ہے

جس سے کشتی کو سلامت میں بچالایا ہوں
اہل ساحل نے وہ طوفان کہاں دیکھا ہے

جام خالی لئے میکش ترے فریاد کریں
تو نے ایسا بھی کبھی پیر مغاں دیکھا ہے

یاد کچھ اپنے نشیمن کی سوا آنے لگی
جب سے گلشن کی فضاؤں میں دھواں دیکھا ہے

اپنا سمجھے تھے جسے ہائے اسی کے دل میں
ہم نے غیروں کی محبت کو نہاں دیکھا ہے

تجھ کو قتال جہاں کہتے ہیں کیوں اہل نظر
آئینہ بھی کبھی اے دشمن جاں دیکھا ہے

سنگ دل کیوں میری حالت پہ بہائے آنسو
کسی پتھر کو کبھی اشک فشاں دیکھا ہے

تم بہاروں میں پلے ہو تمھیں معلوم نہیں
ہم سیہ بختوں نے جو دور خزاں دیکھا ہے

بے وفا اپنی جفاؤں پہ ہو نادم جیسے
رات کو ہم نے عجب خواب گراں دیکھا ہے

آرزو ہے نہ کوئی اب ہے تمنا اپنی
دل مردہ میں کہیں خون رواں دیکھا ہے
کیوں ڈراتا ہے زمانے کے تغیر سے مجھے
تو نے اے دوست مرا عزم جواں دیکھا ہے
بے وفاؤں کا ابھی سے ہی گلہ ہونے لگا
تو نے ساقیؔ ابھی کیا جور بتاں دیکھا ہے

(۳۴

غزل

زندگی ایک فریب ایک طلسم ایک فسوں
ساقیا کیوں اسے میں نذرِ خرابات کروں
جس کو دیکھو وہی بیگانہ سا آتا ہے نظر
سوچتا ہوں کہ کہوں قصۂ غم یا نہ کہوں

زندگی تیرے لئے کوئی کہاں سے لائے
ہائے وہ چیز کہ کہتے ہیں جسے دل کاسکوں
اتنی مہلت ذرا اے گردش دوراں دیدے
دوگھڑی اپنی تمناؤں کا ماتم کرلوں
جن سے وابستہ ہیں کچھ قلب ونظر کے قصے
ان حسیں یادوں کو کس طرح فراموش کروں
آپ کے بعد یہ عالم ہے کہ جب بھی کوئی
پرسش حال کو آتا ہے تو رودیتا ہوں
مجھکو تسلیم کہ ہے صبر ہر اک غم کا علاج
میرے ناصح یہ بتا صبر کہاں سے لاؤں
جاتے جاتے بھی عطا کر گیا جو دولت غم
ایسے غمخوار کو کسطرح بھلا سکتا ہوں
دل دھڑکنے کی بھی آتی نہیں اب تو آواز
اے خرد تجھ سے تو بہتر تھا کہیں میرا جنوں
میں تو پروردۂ آغوش خزاں ہوں ساقیؔ
مجھ کو کیا حق کہ بہاروں سے میں رشتہ رکھوں

(۳۵)

غزل

کہتے ہیں جوکہ دہرمیں لطف ارم کہاں
تیری گلی سے گذرے ہیں وہ اے صنم کہاں

گھبراکے اب عدوکوصدادے رہاہوں میں
احباب کو تو فکر مداوائے غم کہاں

دن رات جن میں رہتے تھے الجھے ہوئے کبھی
اب راہ زیست میں بھلا وہ پیچ وخم کہاں

ہرایک غم تو آپ کا بخشا ہوا نہیں
ہرایک غم میں لذت سوز الم کہاں

دنیا ستم شعار اگر ہے ہوا کرے
ہم بھی توبارغم کااٹھانے میں کم کہاں

انساں کبھی تھا پیکر لطف و کرم مگر
انساں میں آج جذبۂ لطف وکرم کہاں

جو خود نکال سکتا ہو راہیں نئی نئی
وہ ڈھونڈھتا ہے غیر کا نقش قدم کہاں

لینا تھا امتحان جنھیں میرے صبر کا
بیٹھے ہیں آج چھپ کے وہ اہل ستم کہاں

وہ اور ہونگے ڈوب گئیں جن کی کشتیاں
ہم سے نظر ملائے یہ طوفاں میں دم کہاں

بیگانگی کا دور ہے شکوہ بھی کیا کریں
وہ پیار وہ خلوص وہ لطف و کرم کہاں

اپنے چمن کے خار بھی ہم کو عزیز ہیں
اپنے چمن کو چھوڑ کے جائیں گے ہم کہاں

جب تھک چکے ہیں پاؤں تو آیا ہے یہ خیال
جانا کہاں تھا آگئے بھولے سے ہم کہاں

اے دوستو بتاؤ کہ ساقی کو چھوڑ کے
جاتے ہو اتنے تیز بڑھائے قدم کہاں

حصہ دوم

غزلیات

۱۔ امیدوفا کیوں ان سے کریں خوداپناجو پیماں بھول گئے
۲۔ ابھرتے چاندستاروں کا تذکرہ بھی کرو
۳۔ جہاں نفاق کے شعلے ملیں بجھاکے چلو
۴۔ چمن میں آتے ہیں دشت بلاکوبھول گئے
۵۔ اب بھی آلام زمانہ سے مفرہے کہ نہیں
۶۔ ناؤطوفان میں جب زیروزبرہوتی ہے
۷۔ مذاق زاہدناداں کواپنانے کہاں جاتے
۸۔ غم عشق ہی گلے کاترے ہارہونہ جائیگا
۹۔ بہاریں بن کے اٹھو پیکر خزاں نہ بنو
۱۰۔ وہ جوش وہ خروش وہ عزم جواں نہیں
۱۱۔ خلوص دل کوفریب ادانے لوٹ لیا
۱۲۔ جب کبھی کھلتی کلی کوئی نظرآتی ہے
۱۳۔ ہم الجھی ہوئی گتھی کوسلجھاکے چلے ہیں

(۳۶)

غزل

نخوت سما گئی ہے سرِ کجکلاہ میں
یارب اثر عطا ہو غریبوں کی آہ میں

قلب گداز رکھتے تھے بس اس گناہ میں
اک عمر اپنی کٹ گئی حال تباہ میں

ناکامیٔ حیات ! یہ محروم التفات
مایوس ہو کے آیا ہے تیری پناہ میں

ٹھوکر لگا کے چلتے ہیں مست خرام ناز
کیوں بیٹھے پا شکستہ کوئی تھک کے راہ میں

استاد کے ضمیر کی لگتی ہیں بولیاں
نیلام عام ہوتا ہے یہ درسگاہ میں

اڑتی سی اک خبر ہے کہ ایمان والوں نے
ایمان بیچ ڈالا ہے کافر کی چاہ میں

---

(۳۷)

غزل

اے شب تار شکر ہے تجھکو گلہ نہیں رہا
اچھا ہوا چراغِ دل، صبح سے پہلے بجھ گیا

کچھ تو بتا دل حزیں رنگ ہے کیوں اُڑا اُڑا
کان میں تیرے چپکے سے یاد نے ان کی کیا کہا

وقت کی رہ میں دیکھنا آتو نہیں گیا کوئی
دل کو قرار کس لئے تھوڑی سی دیر آگیا

گرچہ نئی نہیں ہے بات پھر بھی عجب سی بات ہے
برق چمن پہ جب گری میرا ہی آشیاں جلا

دل کی بساط ہی تھی کیا ہاں یہ ضرور ہے کہ اب
اتنے بڑے جہان میں اپنا کوئی نہیں رہا

بیٹھے تھے چند اہل دل بات میں بات چھڑ گئی
ذکر تھا مجھ غریب کا آپ کو کیوں برا لگا

کیسے بیاں کرے کوئی دل کے معاملات میں
بس یہ سمجھ لو دوستو ہم سے ہوئی تھی اک خطا
نظریں جو پھیر لیتا غم موت بھی پوچھتی نہ حال
صدقے تمھارے غم کے میں جس نے مجھے جلا دیا
غیر کا کیا کہ آپ ہی جینے نہ دیتے ایک دن
اچھا ہوا کہ پیار کی راس نہ آسکی ہوا
ساقیؔ کم نصیب کی زیست بھی اک چراغ ہے
شام ہوئی جلا دیا صبح ہوئی بجھا دیا

---

(۳۸)

غزل

کام اکثر جو نہ بن پائے ہیں تلواروں سے
وہی تکمیل کو پہونچے ہیں قلم کاروں سے

ہم سے بربادوں کا بھی جس میں ٹھکانا ہوتا
ہائے وہ گھر نہ بنا وقت کے معماروں سے

گل بداماں ہے صبا دامن گلچیں رنگین
بچ سکی دولت گلشن نہ ہوس کاروں سے

یہ تو کہیے کہ نہیں ملتے ہیں ہم سے مظلوم
ورنہ دنیا کہیں خالی ہے جفا کاروں سے

دور کردیں جسے غمخوار وہ غم ہی کیا ہے
غم وہی غم ہے جو ہلکا نہ ہو غمخواروں سے

دشت غربت میں ہمیں دیکھ کے ہنسنے والو
ہم بھی رکھتے تھے تعلق کبھی گلزاروں سے

ایک ہم ہیں کہ ترستے ہیں محبت کیلئے
ایک وہ ہیں کہ گریزاں ہیں پرستاروں سے
وہ مداوائے الم خاک کریں گے کہ جنھیں
بات کرنا بھی گورا نہیں بیماروں سے
اک نظر پیار کی کرلیتی ہے دل کو تسخیر
دل پہ قبضہ کہیں ہوسکتا ہے تلواروں سے
جب بھی ناکامیٔ تقدیر کا آتا ہے خیال
سر شوریدہ کو ٹکراتا ہوں دیواروں سے
بانٹ لو ملک و زمیں لاکھ مگر یاد رہے
دل کی تقسیم کہیں ہوتی ہے دیواروں سے
اے بُتوں تم نے ہی توفیق گنہ بخشی ہے
تم ہی اب بات نہیں کرتے گنہگاروں سے
اب تو عالم یہ جنوں کا ہے کہ ساقیؔ اکثر
بہروں میں باتیں کیا کرتا ہوں دیواروں سے

---

(۳۹)

غزل

خود تڑپتا ہوں زمانے کو بھی تڑپاتا ہوں
کتنا ناداں ہوں کہ شعلوں سے لپٹ جاتا ہوں

اپنے دامن کی ہوا پھر غم جاناں دیدے
ہوش میں آکہ میں بے ہوش ہوا جاتا ہوں

اک ذرا ٹھہر سنونگا میں تیری بھی واعظ
وہ قدم پرتو ہے میخانہ ابھی آتا ہوں

واہی دل سے ابھی آپ ہی کیا گذرے تھے
جانے پہچانے سے کچھ نقش قدم پاتا ہوں

غم ہستی کی کڑی دھوپ سے بچنے کے لئے
تیری یادوں کی گھنی چھاؤں میں آجاتا ہوں

لطف [illegible] بھوتڑپ اٹھتا ہوں جس ذکر سے خود
دل مضطر کو اسی ذکر سے بہلاتا ہوں

نگہِ لطف سے پھر جوڑ دے انکوائے دوست
دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو لئے آتا ہوں
کہد و موجوں سے ذرا وہ بھی تماشہ دیکھیں
ناؤ طوفان حوادث سے میں ٹکرآتا ہوں
کہیں میں ہی تو نہیں آیا تھا پہلے بھی ادھر
اجنبی راہوں میں کچھ نقش قدم پاتا ہوں
اب تو شوریدہ سری کا یہ ہے عالم ساقی
انگلیاں اٹھتی ہیں جس سمت نکل جاتا ہوں

---

(۴۰)

غزل

فراق دوست میں ہوتی ہے یوں بسر تنہا
قفس میں جیسے کوئی ہو شکستہ پر تنہا
یہ دیکھنا ہے کہ ہوتی ہے فتح کس کو نصیب
ادھر ہے سیل رواں ناخدا ادھر تنہا

تمھارے ہجر میں یوں زندگی گذاری ہے
کہیں ہو دشت میں جیسے کوئی شجر تنہا

اِدھر یہ جوش اُدھر ست گامیٔ احباب
پہونچ تو جائینگے منزل پہ ہم مگر تنہا

کسی کی یاد مداوائے غم کو آجاتی
جو چھوڑ دیتے مجھے میرے چارہ گر تنہا

کہاں وہ خیر کی باتیں کہاں وہ دلجوئی
کہ رہ گیا ہے زمانے میں اب تو شر تنہا

جو چارہ سازوں سے ملکر نہ ہوسکا ممکن
وہ کام کرگئی اس شوخ کی نظر تنہا

دعا میں ساتھ کہیں میں نے گر کبھی دیکھا
کسی غریب کو آمادۂ سفر تنہا

کسی کو کیا تھی پڑی ساتھ جو مرا دیتا
پھرا تیرے لئے برسوں میں دربدر تنہا

میں سوچتا ہوں رہِ زندگی میں میرے بعد
کرے گا کیسے سفر میرا ہمسفر تنہا

ہے تجربہ دل حرماں نصیب کا ساقی
جہاں میں ہے غم جاناں ہی معتبر تنہا

---

(۴۱)

غزل

رگ حیات میں خوں بن کے دوڑتی تو ملی
کسی کے یاد کے صدقے کو زندگی تو ملی
گھنی گھنی سی فضا میں شگفتگی تو ملی
چمن میں شکر ہے ہنسی کوئی کلی تو ملی
بھلی تھی یا کہ بری دل کو رہبری تو ملی
جو مل سکی نہ رہ خیر گمرہی تو ملی
بھلا ہو گردش تقدیر کا کہ اس کے سبب
جواز بندش و تاویل بے پری تو ملی

تیری نگاہ کرم کا ہے معجزہ اے دوست
کہ آج درد میں پہلے سے کچھ کمی تو ملی
کسی کا بھی نہیں رکھا خرد نے اپنے سوا
جنوں کی راہ پہ چلنے سے آگہی تو ملی
بلا سے برق گری میرے آشیانے پر
اندھری رات میں رہرو کو روشنی تو ملی
گھٹا گھٹا سا تھا ماحول زندگی یارو
نکل کے غم کی فضاؤں میں تازگی تو ملی
ہمارے دل سے کوئی پوچھے قدر اس مئے کی
کہ ایک بوند سہی وقتِ تشنگی تو ملی
ملال ترک تعلق کا شیخ سے ہے مگر
شراب خانہ میں کچھ ہم کو زندگی تو ملی
سنبھل سنبھل کے میرے دل کو توڑنے والے
تیری جفا میں محبت کی چاشنی تو ملی
یہ بات اور ہے منھ سے نہ کہہ سکیں لیکن
تیرے خلوص میں اے ہمنشیں کمی تو ملی

۱۴۔ یوں پلٹی ہے ہرایک دعا باب اثر سے
۱۵۔ وہ نخل ہے بدنصیب یارو کہ جس میں کوئی ثمر نہیں ہے
۱۶۔ ہم ان کی بزم سے یوں اشک بار آئے
۱۷۔ منزل عزم جنوں اہل سفر دور نہیں
۱۸۔ ہزار چین ملے ہے سفر سفر پر بھی
۱۹۔ شام غم اور بھی تاریک ہوئی جاتی ہے
۲۰۔ کسی کی چاہ میں دن رات بیقرار ہوئے
۲۱۔ ہر طرف خون تمنا کارواں ہے اے دوست
۲۲۔ نہ کوئی جس کا سہارا ہو وہ کدھر جائے
۲۳۔ جو چھپ کے پائیں تو پینے میں ان کو عار نہیں
۲۴۔ خدشے تھے شام ہجر میں صبح خوشی کے ساتھ
۲۵۔ رکھ لیتے دل جو آپ ہمارا کبھی کبھی
۲۶۔ ڈھونڈتا ہوں روز و شب لیکن نشاں ملتا نہیں
۲۷۔ رہا ہوں میں گل و بلبل کا راز داں برسوں
۲۸۔ بپاس خاطر احباب ذکر جام تو ہے
۲۹۔ وہ نوشکفتہ گل ہے نہ رنگ شبنم ہے

رہا نہ شکوۂ بیچارگی کہ غربت میں
قدم قدم پہ سہارے کو بے کسی تو ملی
نہ تھا نصیب اگر سیم و زر تو کیا ساقی
در حبیب کی ہم کو گدا گری تو ملی

---

(۴۲)

غزل

بیٹھا ہوں چپ ، سوال نہ کوئی جواب ہے
یہ زندگی ہے یا کسی گونگے کا خواب ہے
کس کے حضور عرش سے آئیں ملک یہاں
انسان اب جہاں میں کہاں دستیاب ہے
رندوں کا ڈر کبھی تو کبھی محتسب کا خوف
اپنے لئے تو روز ہی روز حساب ہے

طالب نگاہ لطف کا اس واسطے ہوں دوست
آئینہ آئینہ کا جہاں میں جواب ہے

حال زبوں پہ میرے چمن کے نہ جایئے
پیچھے اس انقلاب کے اک انقلاب ہے

بھائی کا بھائی آج کے دورِ خراب میں
یوں پی رہا ہے خون کہ جیسے شراب ہے

اپنی خطا سے کھائے جو، اب بھی کوئی فریب
ہے جو فروش آج یہاں بے نقاب ہے

غم اک عذاب زیست ہے یہ سچ سہی مگر
غم ہو نہ زندگی میں تو جینا عذاب ہے

میری نظر میں ہیچ ہے حُسن جہاں بھی دوست
میری نظر کے سامنے تیرا شباب ہے

اس زندگی کے بحر تلاطم میں ساتھیو!
جو غرق ہو کے ابھرے وہی کامیاب ہے

طوفان شوق اٹھتا ہے ہر اک نفس کے ساتھ
الفت کا نام بدلا ہوا اضطراب ہے

گرجان کی اماں ہوتو اتنا میں پوچھ لوں
سرکار کس قصور میں مجھ پر عذاب ہے
مانگا خوشی کے بدلے جو گھبرا کے غم کبھی
آئی صدا کہ تیری دعا مستجاب ہے
یہ کہہ کے کون خواب سے ساقیؔ جگا گیا
اٹھ خفتہ بخت ، سر پہ تیرے آفتاب ہے

---

(۴۳)

غزل

کاش اتنا ہی دعاؤں میں اثر ہو جائے
زندگی ان کی تمنا میں بسر ہو جائے
امتحاں صبر کا دینا ہے مجھے شام الم
یا خدا دور بہت دور سحر ہو جائے

جذبۂ عشق کی تاثیر کا قائل جب ہوں
دل اِدھر دھڑکے اُدھر ان کو خبر ہو جائے
کفر ہے تم کو کہوں قادر مطلق لیکن
تم جو چاہو تو دعاؤں میں اثر ہو جائے
زندگی بھر ترا احسان نہ بھولینگے کبھی
ہم غریبوں پہ بھی اک بار نظر ہو جائے
دل فسردہ ہو تو سایہ بھی گلوں کا ہے برا
دل اگر خوش ہو تو کانٹوں میں بسر ہو جائے
غیر کے نقش قدم کی ہو زمانہ کو تلاش
میں جدھر جاؤں وہی راہگذر ہو جائے
کبھی تنہائی میں کاٹے نہ کٹے شام الم
اور کبھی باتوں ہی باتوں میں سحر ہو جائے
ایک موہوم سی امید تیرے آنے کی
چاہتی ہے کہ طویل اور سحر ہو جائے
زلف بکھرائے ہیں شانوں پہ بلا سے ان کی
شام ہو جائے جہاں میں کہ سحر ہو جائے

دل کے پردے میں چھپائے ہیں بڑی مدت سے
وہ تمنا کہ جو خود پردۂ در ہوجائے
یہ بتادے دل مجبور کہ پھر کیا ہوگا
آہ سوزاں بھی جو محروم اثر ہوجائے
آنکھوں ہی آنکھوں یں لیلوں میں بلائیں ساقی
اس طرف بھی جو محبت کی نظر ہوجائے

---

(۴۴)

غزل

فطرت میں تغافل ہے تو ہے دل میں لگن بھی
پا بند وفا بھی ہے کوئی عہد شکن بھی
آپہونچی ہے دروازے پہ پھر صبح مسرت
لوکٹ گئی آخر کو میری شام محن بھی
آزادیٔ اظہار خیالات کی خاطر
ہوجائے ذرا گفتگوئے دارو رسن بھی

ہے یہ تو خریدار کی خود اپنی نظر پر
شیشہ بھی ہے اے دوست یہ دل لعل یمن بھی
تعمیر کے نغمے ہی نہیں صرف نظر میں
ہم کو تو بدلنا ہے روایات کہن بھی
رہبر ہی جو کہلانے کا ارمان تھا دل میں
لازم تھا تمھیں سیکھنا رہبر کا چلن بھی
بس اتنا بتادے تیرے میخانہ میں ساقی
ہے تشنہ دہاں نوں کو پلانے کا چلن بھی

(۴۵)

غزل

حسرت صبح نہ ہو آرزوئے شام نہ ہو
ایک سے ایک کو دنیا میں اگر کام نہ ہو
رات اور وہ بھی مصیبت کی الٰہی توبہ
گھر سے بے گھر کوئی دشمن بھی سرشام نہ ہو

کتنی حسرت ہے کہ خود پیار کے بھوکے اکثر
چاہتے ہیں کہ محبت کا چلن عام نہ ہو
بے گناہوں کا نہیں ذکر گنہگار بھی آج
چاہتا ہے کہ میرے سر کوئی الزام نہ ہو
ہم نے دیکھا ہے ابھرتے ہوئے سورج کا زوال
کب یہ ممکن کہ سحر آئے مگر شام نہ ہو
کیا کرے ہائے وہ تقدیر کا مارا کہ جسے
دو گھڑی اپنے نشیمن میں بھی آرام نہ ہو
زندگی حسرت تعمیر نشیمن میں کٹی
مجھ سا دنیا میں خدایا کوئی ناکام نہ ہو
چارہ سازی کیلئے ہاتھ بڑھائے تو کوئی
غیر ممکن ہے کہ بیمار کو آرام نہ ہو
دینے والے مجھے منظور ہر اک غم لیکن
میری تقدیر میں جو غم ہو وہ غم عام نہ ہو
خون ہوتے ہوئے دیکھا ہے گلوں کا جیسے

یا خدا ایسا تو دشمن کا بھی انجام نہ ہو
ہوں غم دوست کو سینے سے لگائے کہ کہیں
زندگی بھر کی محبت کا یہ انعام نہ ہو
میکدہ سب کا ہے تفریق یہ کیوں اے ساقیؔ
کچھ پئیں کچھ کے مقدر میں کوئی جام نہ ہو

.....

(۴۶)

غزل

نہ پوچھ کیسے شب انتظار گذری ہے
بھلا ہو دل کا بہت بے قرار گذری ہے
خدا نے لاج رکھی مجھ غریب کی ورنہ
میرے چمن سے خزاں بار بار گذری ہے
ہزار مصلحتیں جس میں کار فرما ہوں
وہی نگاہ کرم ہم پہ بار گذری ہے
میری حیات نے دی ہے جہاں کو دعوت فکر

میری حیات بڑی جانگداز گذری ہے
ہزار شکر خدا کا کہ زندگی اپنی
کسی کے عشق میں دیوانہ وارگذری ہے
ہے اصطلاح محبت میں جس کانام جنوں
وہ ایک رسم بڑی پائیدار گذری ہے
ضرور اس نے تیرے پیرہن کو چوما تھا
ادھر سے باد صبا مشکبار گذری ہے
لٹاہے کوئی غریب الدیار رستہ میں
یہ کس کے غم میں صبا سوگوار گذری ہے
نثاراس پہ ہوں میں جس کی زندگی ساقی
بشرکے اوج کی آئینہ دار گذری ہے

---

(۴۷)

غزل

کیوں چھوڑ کے پھولوں کو کانٹوں پر نظر جائے
جائے تو نگہہ سوئے ارباب ہنر جائے

طوفان سے لڑنے کی ہمت جو نہ رکھتا ہو
کہدو کہ وہ کم ہمت کشتی سے اتر جائے

آہستہ ذرا چھیڑو شاخ گل رنگین کو
دامن پہ کلی کوئی گر کر نہ بکھر جائے

حاجت ہے چمن والو! تھوڑے سے سلیقہ کی
تم چاہو تو یہ گلشن کچھ اور نکھر جائے

خود بڑھ کے قدم اس کے چھو لیتی ہے منزل بھی
جو راہ حوادث سے بے خوف گذر جائے

دینا میں کہیں جس کا کوئی نہ ٹھکانا ہو
وہ اٹھ کے تیرے در سے جائے تو کدھر جائے

۳۰۔ خزاں سے بچ نہ سکا آج تک کوئی بھی چمن
۳۱۔کیوں لوح دل سے نقش محبت مٹادیا
۳۲۔بلبل کانالہ برق کاقلب تپاں ہے
۳۳۔غیرکے غم میں انھیں نالہ کناں دیکھاہے
۳۴۔زندگی ایک فریب ایک طلسم ایک فسوں
۳۵۔کہتے ہیں جوکہ دہرمیں لطف ارم کہاں
۳۶۔نخوت سماگئی ہے سرکجکلاہ میں
۳۷۔اے شب تارشکرہے تجھکو گلا نہیں رہا
۳۸۔کام اکثر جو نہ بن پائے ہیں تلواروں سے
۳۹۔خود تڑپتا ہوں زمانے کوبھی تڑپاتاہوں
۴۰۔فراق دوست میں ہوتی ہے یوں بسرتنہا
۴۱۔رگ حیات میں خوں بن کے دوڑتی توملی
۴۲۔بیٹھاہوں چپ سوال نہ کوئی جواب ہے
۴۳۔کاش اتنا ہی دعاؤں میں اثر ہوجائے
۴۴۔فطرت میں تغافل ہے تویہ ہے دل میں لگن بھی
۴۵۔حسرت صبح نہ ہوآرزوئے شام نہ ہو

کیاہوگی سنورنے پراس زلف کی رعنائی
جو زلف بکھرنے پر کچھ اور سنور جائے
جو لوگ کہ ساحل پر ہیں منتظر کشتی
کشتی کی تباہی کی ان تک نہ خبرجائے
تخریب میں مضمرہیں تعمیرکی بنیادیں
معمار زمانہ کیوں تخریب سے ڈرجائے
گران کے تبسم کا پڑجائے کوئی پرتو
ان چاند ستاروں کا رنگ اور نکھر جائے
اصلاح اگر تجھکو منظور نہیں اس کی
پھرعیب پہ ساقیؔ کے کیوں میری نظرجائے

---

(۴۸)

غزل

بتائیں کیا کہ جوانی کے دن کہاں گذرے
جنون عشق کے ہاتھوں رواں دواں گذرے

مکین جن کے کبھی پھر پلٹ کے آ نہ سکے
چمن میں ایسے بھی نظروں سے آشیاں گذرے

تمھیں ہے تشنہ دہانی کا اک گلہ رندو
نہ جانے کتنے یہاں دور امتحاں گذرے

ہمارے نقش قدم روشنی دکھائینگے
رہ وفا میں بصد شوق کارواں گذرے

یہاں تو ذکر ہے اک ناشناس الفت کا
کسی کے ذوق سماعت پہ کیوں گراں گذرے

نظر اٹھا کے نہ دیکھا جنھوں نے موجو ں کو
نظر سے ایسے بھی پیاسوں کے کارواں گذرے

جناب شیخ حرم کا تو یہ نہیں رستہ
ادھر سے آپ کہاں آج مہرباں گذرے
ترس گیا ہوں قفس میں میں بات کرنے کو
ادھر سے کاش کوئی اپنا ہم زباں گذرے
ہے انتظار کہ شاید ہمارے رستے سے
وطن کو جاتا ہوا کوئی کارواں گذرے
سنا گیا ہے کہ اخفائے راز کی خاطر
مقام دار و رسن سے بھی رازداں گذرے
ہمارے عشق ہماری وفا کی قیمت تھی
وہ غم جو دل پہ میرے بعد مہرباں گذرے
خدا گواہ کہ ساقی بہت غنیمت ہے
وہ ایک لمحہ جو ہمراہ دوستاں گذرے
تقاضا دل کا ہر اک امتحاں کے بعد رہا
کہ اس کے بعد پھر اک دور امتحاں گذرے
جہاں پہونچ کے لٹا تھا قرار دل ساقی
الٰہی پھر اسی جانب سے کارواں گذرے

(۴۹)

غزل

فروغ حسن شب ماہتاب کیا ہوگا
تمھیں نہیں ہو تو دور شراب کیا ہوگا

جیئے ہیں تیری جدائی کے بعد بھی اے دوست
کسی پہ اس سے بھی زائد عذاب کیا ہوگا

تمھیں نہ دیکھا تھا جب تک تو تھا یقیں دل کو
کہ چاند چاند ہے اس کا جواب کیا ہوگا

کسی طرح جو شب غم میں کاٹ بھی لاؤں
تو صبح اے دل خانہ خراب کیا ہوگا

اٹھو کہ رسم محبت کو آج عام کریں
کہ اس سے بڑھ کے بھی کار ثواب کیا ہوگا

گئے تھے جلوہ گہہ ناز میں یہ سوچ کے ہم
کہ آفتاب کے رخ پر نقاب کیا ہوگا

ہزار سو شب مہتاب چاندنی چھٹکی
سحر کے نور کا لیکن جواب کیا ہوگا
قدم قدم پہ جو محتاج ہو سہارے کا
جہاد زیست میں وہ کامیاب کیا ہوگا
چمک رہا تو ہے سورج مگر اندھیرا ہے
اب اس کے بعد کوئی انقلاب کیا ہوگا
میں ہوں تو اپنی خطاؤں پہ منفعل ساقیؔ
خدا ہی جانے کہ روز حساب کیا ہوگا

---

(۵۰)

غزل

نہ خون دل کی طرح نہ رگ گلو کی طرح
عزیز تو ہے مجھے اپنی آبرو کی طرح

رہ حیات میں آئے بہت نشیب و فراز
نہ دل سے نکلی تیری یاد آرزو کی طرح

پلٹ کے جائے نہ پیاسا کوئی میرے در سے
حیات اپنی گذر جائے آب جو کی طرح

تلاش امن میں ہم غم نصیب شام و سحر
بھٹکتے پھرتے ہیں بے ربط گفتگو کی طرح

یہ اہل زر ہیں یہی آبروئے مفلس کو
خرید لیتے ہیں مزدور کے لہو کی طرح

ابھی تو تجربہ غم کا نہیں ہوا پھر بھی
یہ دل ملول ہے ناکام آرزو کی طرح

نہ کر خدا کیلئے تو وہ خوشنما وعدے
ثبات جنکو نہ ہو دوست رنگ و بو کی طرح

الٰہی دل میں ہو وہ ذوق بندگی پیدا
نماز کیلئے لازم ہے جو وضو کی طرح

میرا مذاق محبت میری سرشت خلوص
میری نظر میں عدو بھی ہو کیوں عدو کی طرح

مزہ تو آئے کہ جب میکدے کی حرمت بھی
نگاہ رند میں ہو بادہ و سبو کی طرح

زبان شوق پہ ہر صبح و شام اے ساقی
کسی کا نام رہے حرف آرزو کی طرح

---

(۵۱)

غزل

نہ کسب زر نہ خیال زمیں و زن کیلئے
بشر ہو مائل پرواز فکر و فن کیلئے

نکھارنا ہے ابھی اورحسن روئے زمین
ستارے توڑ کے لائینگے ہم چمن کے لئے

جنوں وہی ہے تقاضے جنوں کے بدلے ہیں
حیات قیس ہے اب وقف فکروفن کے لئے

جلا کے مشعل حکمت خلا کی راہوں میں
برات لیکے براتی چلے دلھن کیلئے

بلارہی ہے جھروکے سے چاندکی شیریں
عمل کی راہ نکل آئی نیش زن کیلئے

بشر کے اوج و کمالات کی نمائش ہے
صدائے عام ہے ہرایک اہل فن کیلئے

اٹھو شعور بشر کو بطور تحفہ دوست
زمیں سے لے چلیں تاروں کی انجمن کیلئے
تڑپتے ہونگے عنادل کے مثل سیارے
زمیں پہ بکھرے ہوئے لالہ وسمن کیلئے
توہمات کے ہربت کو توڑنا ہوگا
کہ وقت اب نہیں افسانۂ کہن کیلئے
چلو ستاروں کو اب چل کے گدگدائیں ذرا
کہ چھیڑ چھاڑ ضروری ہے بانکپن کیلئے
عمل کا دے گیا پیغام زندگانی کو
دعائیں دل سے نکلتی ہیں کوہکن کیلئے
قریب آمیرے یوسف جمال مدت سے
ترس رہاہوں بہت بوئے پیرہن کیلئے
شراب عشق سرشک وفا و عام خلوص
یہی چراغ ہیں ساقی کی انجمن کیلئے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

۴۶۔نہ پوچھو کیسے شب انتظار گذری ہے
۴۷۔کیوں چھوڑ کے پھولوں کو کانٹوں پہ نظر جائے
۴۸۔بتائیں کیا کہ جوانی کے دن کہاں گذرے
۴۹۔فروغ حسن شب ماہتاب کیا ہوگا
۵۰۔نہ خون دل کی طرح نے رگ گلو کی طرح
۵۱۔نہ کسب زر نہ خیال زمین و زن کے لئے
۵۲۔تلاش میکدہ مجھ کو نہ فکر پیمانہ
۵۳۔سکوں ملتا ہے رستہ میں نہ چین آتا ہے منزل پر
۵۴۔اور الجھے ہوئے اک ذہن کو الجھانے کو
۵۵۔شکستہ دل کی خوشی دوستوں خوشی تو نہ تھی
۵۶۔مذاق عشق پیدا کر کے پچھتایا نہیں جاتا
۵۷۔یہ کس نے کہدیا صہبا نے آبرو رکھ لی
۵۸۔یہ ہمارا آشیاں ہے وہ تمھارا آشیاں ہے
۵۹۔اور تو اورکسی کام کا یہ دل بھی نہیں
۶۰۔گہہ مشق ستم گاہ کرم یاد کرینگے
۶۱۔گھرا تھا موج طوفاں میں سفینہ دور ساحل تھا

(۵۲)

غزل

تلاش میکدہ مجھکو نہ فکر پیمانہ
بسی ہوئی ہے نگاہوں میں چشم جانانہ
فریب دیدہ ودل زندگی کے رشتے ہیں
نہ کوئی اپنا یہاں ہے نہ کوئی بیگانہ
تمام رنگ و لطافت تمام رعنائی
تم ایک حسین حقیقت جوان افسانہ
بدلتے رہتے ہیں معنی بھی زیست کے اکثر
کہیں خلوص کہیں چشمک حریفانہ
غم حیات سے کہدے کوئی نہ چھیڑے ہمیں
ابھی تو بھولا نہیں ہوں میں راہ میخانہ
دیار عشق کی شام جنوں کو کیا کہئے
بجائے شمع یہاں جل رہا ہے پروانہ

نہیں ہے دل میں جھلک بھی کسی تمنا کی
نہ جانے توڑدیا کس نے آئینہ خانہ
تیری نظر سے نظر جس جگہ بھی مل جائے
وہی ہے میکدہ اپنا وہی صنم خانہ
کسی بھی حال میں ہو ظرف تو کوئی دیکھے
گلہ زمانے کا کرتا نہیں ہے دیوانہ
یہ فیض حسن تھا جو نام ہو گیا پیدا
وگرنہ کیا تھی جہاں میں بساط پروانہ
سمجھ میں آتا نہیں کیا ہوا ہے انساں کو
نہ احترام حرم کچھ نہ پاس بت خانہ
یہی جو آبلہ پائی کا اپنے حال رہا
رہیگا کوئی بھی تشنہ نہ خانہ ویرانہ
ہرایک اپنے مسائل میں آپ الجھا ہے
دل غریب کہے کس سے اپنا افسانہ
میری حیات کی یہ مختصر سی ہے تعریف
اگر ہو تم تو چمن ، تم نہیں تو ویرانہ

بھلا دے غم کو جو ساقیؔ غم جہاں کیلئے
وہی ہے اہل نظر کی نظر میں فرزانہ

---

(۵۳)

غزل

سکوں ملتا ہے رستہ میں نہ چین آتا ہے منزل پر
ترس آنے لگا ہے خود ہمیں تنہائی دل پر
بھنور میں ہو گھرا یا مبتلائے غم ہو ساحل پر
تڑپ اٹھتا ہے یہ دل ہر کس وناکس کی مشکل پر
ہوں کیوں ممنون راہ شوق میں ہم رہنماؤں کے
اگر ہے جذبۂ کامل خود پہونچ جائینگے منزل پر
کوئی بہلا گیا ہے دے کے خالی جام ہاتھوں میں
ہنسی آتی ہے یاروں سادگی اہل محفل پر

تمھاری ناؤ طوفاں سے بچاکے کون لایا ہے
میں ان سے پوچھتا ہوں جو کھڑے ہیں آج ساحل پر
بہت آسان تھا ترک تعلق بے وفا تجھ سے
مگر ہم کیا کریں کچھ اختیار اپنا نہیں دل پر
ہے سایہ ایک نعمت دوپہر کی دھوپ میں لیکن
ہمیں تو شام سے پہلے پہونچ جانا ہے منزل پر
اٹھا دیگا انھیں دست جنون وقت خود بڑھ کر
پڑے ہیں آج جو غفلت کے پردے چشم غافل پر
تڑپنا خاک و خوں میں اہل دل دیکھا کئے لیکن
کسی کی آنکھ سے انسو نہ ٹپکا رقص بسمل پر
سزا اس دور میں بے جرم کو دینا تو ہے جائز
مگر ہے جرم قاتل کا گماں کرنا بھی قاتل پر
خدایا راس آجائیں سکوں سامانیاں دل کو
بڑی مشکل سے پہونچا ہے سفینہ اپنا ساحل پر
نظر ملتے ہی یوں سارے گلے جاتے رہے ساقی
بھری کشتی کوئی خالی ہو جیسے آکے ساحل پر

(۵۴)

غزل

اورالجھے ہوئے اک ذہن کوالجھانے کو
لوگ زنجیر پنہا دیتے ہیں دیوانے کو
غم کے ماروں کو یہاں ملتا ہے کچھ دیرسکوں
ہائے کیوں لوگ برا کہتے ہیں میخانے کو
ہائے کیاہوگئی ارباب وفا کی غیرت
شمع کی لوسے بچاتے نہیں پروانے کو
ہم کواے اہل خردتم سے شکایت ہے کہ تم
اور دیوانہ بنا دیتے ہو دیوانے کو
وحشت دل میرے پہلوسے نہ اٹھ کرجانا
آئے ہیں حضرت ناصح میرے سمجھانے کو
جوبھی اس دورمیں ہوجائے وہ کم ہے یارو
کم فہم راہ دکھانے لگے فرزانے کو

کتنے پوجے ہیں صنم حرص وہوس کے ہم نے
اورہم ہیں کہ برا کہتے ہیں بت خانے کو

چشم میگوں تیری جب یاد مجھے آتی ہے
بڑھ کے آنکھوں سے لگالیتا ہوں پیمانے کو

شہر میں ہوگیا داخل تو غضب ڈھائے گا
روک لو دوستو بڑھتے ہوئے ویرانے کو

ساقیا! ڈر ہے کہ یہ اپنے پرائے کی تمیز
کہیں بدنام نہ کردے تیرے میخانے کو

تابہ کے تشنہ دہانی کا گلہ ہو ساقی
گتھیاں اور بھی ہیں زیست میں سمجھانے کو

---

(۵۵)

غزل

شکستہ دل کی خوشی دوستوں خوشی تو نہ تھی
ہنسی کا وقت پہ اک طنز تھا ہنسی تو نہ تھی

تمام عمر جسے روشنی سمجھتے رہے
فریب چشم تمنا تھا روشنی تو نہ تھی

ہنسی ہنسی میں میرے دل کو توڑنے والے
یہ انتقام محبت تھا دلبری تو نہ تھی

میں ترک رسم وفا بے وفا سے کیوں کرتا
تھا اختلاف خیالات دشمنی تو نہ تھی

چلے بھی آتے اگر بن بلائے کیا ہوتا
دل غریب کا ماتم تھا کچھ خوشی تو نہ تھی

دعائیں دل سے نکلتیں جو پیاس بجھ جاتی
کہ میکدہ میں تیرے مئے کی کچھ کمی تو نہ تھی

ملی تھی راہ ہوس میں جو روشنی ساقی
وہ ایک ظلمت رہزن تھی روشنی تو نہ تھی

---

(۵۶)

غزل

مذاق عشق پیدا کر کے پچھتا یا نہیں جاتا
جنوں کو چھوڑ کر پھر ہوش میں آیا نہیں جاتا
نظر آتے ہیں شاکی بس زمانے کے وہی جن سے
زمانے کو خود اپنی راہ پر لایا نہیں جاتا
ہو پیدا پھر کوئی مجنوں کہ اس دور ترقی میں
ہزاروں سال کے قصے کو دہرایا نہیں جاتا
پہاڑوں کے کلیجے چیر کر دریا نکل آئے
میں کہتا ہی رہا پتھر سے ٹکرایا نہیں جاتا
نقاب روئے عالم نوچ لے دست جنوں بڑھکر
کہ دانستہ فریب آگہی کھایا نہیں جاتا

عمل کے واسطے حسن عمل اک جزولازم ہے
کہ سونا دھوپ میں رکھ کر تو پگھلایا نہیں جاتا
عجب ناداں سے پالا پڑ گیا ہے ہائے اپنا بھی
مچل جاتا ہے جب یہ دل تو بہلایا نہیں جاتا
ہمیں تو بخش دے اے دل کہ ہم سے آن والوں کو
تماشہ بن کے ان کی بزم میں جایا نہیں جاتا
نکھر آتا ہے حسن اہل ہمت امتحاں گہہ میں
دل ناداں ہجوم غم میں گھبرایا نہیں جاتا
ہیں رونے اور ہنسنے کے طریقے مختلف یارو
کہ اک ہی سر میں تو ہر گیت کو گایا نہیں جاتا
خدا کی شان میری گمرہی پر نام دھرتی ہے
وہ دنیا آپ جس سے راہ پر آیا نہیں جاتا
لگائے ہوں کلیجہ سے غم دوراں کو اے ساقی
خدا کی دی ہوئی نعمت کو ٹھکرایا نہیں جاتا

(۵۷)

غزل

یہ کس نے کہہ دیا صہبا نے آبرو رکھ لی
ڈبو کے پیاسے کو دریا نے آبرو رکھ لی

خدا کا شکر کہ اس کم نگاہ دنیا میں
جنوں کے دیدۂ بینا نے آبرو رکھ لی

کوئی بھی تھا نہ روا دار دو گھڑی کیلئے
کسی غریب کی صحرا نے آبرو رکھ لی

وفا کا نام مٹا جا رہا تھا دنیا سے
وفا کی آپ کے رسوا نے آبرو رکھ لی

سمجھ کے اپنی جفاؤں کا مستحق ہم کو
ہمارے پیار کی دنیا نے آبرو رکھ لی

ہر ایک نعمت دنیا سے کر کے مستغنی
میرے سوال کی داتا نے آبرو رکھ لی

۶۲۔مریض غم کے منہ تک کھنچ کے قلب زار آتا ہے
۶۳۔چراغ عشق کی دل میں جو روشنی آئی
۶۴۔رکھتے نہیں ہیں کوئی غرض بحر و بر سے ہم
۶۵۔فکر و نظر، یقین و خیالات مختلف
۶۶۔ہوں گلستان وطن میں کہ دشت غربت میں
۶۷۔سکون قلب کو زندہ دلی کو ترسو گے
۶۸۔ٹھیس اس کو نہ کہیں سنگ تغافل کی لگے
۶۹۔بلند مرتبہ عالی مقام کہتے ہیں
۷۰۔الفت ہے آپ سے مجھے الفت ہے آپ سے
۷۱۔چمن کی وہ پہلی سی حالت نہیں ہے
۷۲۔دامن کی دھجیوں سے گریباں سے پوچھ لو
۷۳۔ابتر نظام میکدہ پیرِ مغاں ہے آج بھی
۷۴۔سامان جشن فضل بہاراں کریں گے ہم

.....

خوشا نصیب کہ بیتاب دیدہ دل کی
کسی کے وعدۂ فردا کی آبرو رکھ لی
گرا چکا تھا ہمیں تو زمانہ نظروں سے
مگر نگاہ تماشہ نے آبرو رکھ لی
خدا کا شکر کہ ساقیؔ کے ذوق سجدہ کی
کسی کے نقش کف پانے آبرو رکھ لی

---

(۵۸)

غزل

یہ ہمارا آشیاں ہے وہ تمھارا آشیاں ہے
یہی تفرقہ پسندی تو بلائے گلستاں ہے
میں غریب راہ الفت۔ تو اَمیر بزمِ خوباں
میرے پاس ایک دل ہے تیرے ساتھ کل جہاں ہے

یہ شکایت مقدر کسی اور کو مبارک
میرے بازوؤں میں دم ہے میرا حوصلہ جواں ہے
میرے واسطے تھا آساں غم زیست کو بھلانا
تیرے غم کو کیسے بھولوں تیرا غم شریک جاں ہے
جو تمھارے ساتھ بیتے جو تمھارے ساتھ گذرے
وہی زندگی کا لمحہ میری عمر جاوداں ہے
کئی غمگسار یادیں ہیں شریک راہ غربت
نہ سمجھ مجھے اکیلا میرے ساتھ کارواں ہے
یہ اسی کی ہے امانت جو اسے قبول کرلے
میری زندگی بھی ساقی میری زندگی کہاں ہے

---

(۵۹)

غزل

اور تو اور کسی کام کا یہ دل بھی نہیں
میرے مطلب کا نہیں آپ کے قابل بھی نہیں

کیسے ویرانے کو کہدے کوئی گلشن کہ یہاں
نکہت گل بھی نہیں شورعنادل بھی نہیں

کتنا بھولا ہے میرا دل کوئی دیکھے تو سہی
کشتۂ جور بھی ہے جور کے قابل بھی نہیں

حسن، ظالم بھی ہے قاتل بھی ہے سفاک بھی ہے
دعوۂ عشق اگر سچ نہیں باطل بھی نہیں

ہے تضاد آج بڑا فطرت انسانی میں
طالب رحم بھی ہے رحم کے قابل بھی نہیں

اف وہ کافر، وہ ستم جو، وہ گنہگار کہ جو
حور سے کم بھی نہیں حور شمائل بھی نہیں

موج طوفاں سے نپٹ لینے کی دھن میں ساقی
اہل کشتی کو غم دوری ساحل بھی نہیں

(۶۰)

غزل

گہہ مشق ستم ، گاہ کرم یاد کرینگے
جب تک بھی جئیں گے تمھیں ہم یاد کرینگے
جب ذکر چھڑے گا کہیں ارباب وفا کا
اپنے دل مرحوم کو ہم یادکرینگے
بن پھول کے رہ جائیگی جب شاخ گلستاں
گلچیں تیراہم لطف و کرم یادکرینگے
دل اپنا ہے دل پر تونہیں زورکسی کا
کعبہ میں بھی ہم تجھ کو صنم یادکرینگے
جو سجدہ گہہ عشق کی منزل سے ہے واقف
وہ لوگ میرا نقش قدم یادکرینگے

ہو جائینگے خود اپنی جفاؤں پہ پشیماں
جب صبر میرا اہل ستم یاد کرینگے
توقیر بڑھائی ہے میرے سجدوں نے ان کی
اک عمر مجھے دیر و حرم یادکرینگے
جب تک کہ ہے یہ سلسلۂ آبلہ پائی
کانٹوں کو بہت ،پھولوں کو کم یادکرینگے
جب ناؤ کو ساحل پہ کوئی پوچھے گا ہم سے
اے موج بلا، تیرا کرم یادکرینگے
جب بات چھڑے گی کہیں ارباب کرم کی
ساقی کو بہت ، اہل قلم یادکرینگے

.....

(۶۱)

غزل

صیاد لے تو جاتا ہے تو آشیاں سے دور
لیکن یقیں نہیں کہ جیوں گلستاں سے دور

کہہ دے کوئی خزاں سے کہ دھنتی رہے وہ سر
ہم گلستاں کو لے چلے اب گلستاں سے دور

ایفائے عہد ہو کہ محبت کا ہو سوال
تم کو خدا نے رکھا ہے ہر امتحاں سے دور

ہر راہ رو سے پوچھتا ہے کوئی تشنہ کام
میخانہ لوگوں اور ہے کتنا یہاں سے دور

تم نے ہی ساتھ چھوڑ دیا اپنا راہ میں
ہم جا چکے تھے ورنہ کہیں اس جہاں سے دور

وہ آپ ہی فریب بہاراں میں آگئے
ہم تو گلوں کو رکھتے تھے ابتک خزاں سے دور

لائے تھے تنکے جس کے لئے دور دور سے
قسمت نے آج کر دیا اس آشیاں سے دور
جس آستاں پہ بکتا ہو انسان کا ضمیر
ہم سے فقیر رہتے ہیں اس آستاں سے دور

---

(۶۲)

غزل

گھرا تھا موج طوفاں میں سفینہ ،دور ساحل تھا
ہراساں ہم نہ تھے لیکن کہ سینہ میں جواں دل تھا
ہمیں تھے رونق محفل ہمیں سے رنگ محفل تھا
کبھی ہم بھی تھے اہل دل ہمارے پاس بھی دل تھا
دعا دے باغباں ان کو چمن کی آبرو رکھ لی
نہ ہوتے پاسباں اپنے تو گل کا جینا مشکل تھا

کلیجہ موج طوفاں عمر بھر کرتی رہی چھلنی
کیا شکوہ نہ اک دن بھی کبھی کیا ظرف ساحل تھا

بری حسرت سے مجھکو دیکھتے تھے کارواں والے
میں ہی جادہ میں ہی رہبر میں ہی خود اپنی منزل تھا

چمن والے نہیں واقف تھے شاید اس حقیقت سے
چمن کی آبیاری میں ہمارا خون شامل تھا

ہزاروں تجربات تلخ دنیا سے ہوئے ہمکو
مگر دنیا سے رشتہ ترک کر دینا بھی مشکل تھا

سبھی نے تو نشیمن کو میرے جلتے ہوئے دیکھا
بھرے گلشن میں کیا اک بھی نہ کوئی صاحب دل تھا

ہوا احساس تنہائی نہ اک لمحہ بھی غربت میں
غبار رہگذر اپنا رفیق راہ منزل تھا

ملے تھے شوخی تقدیر سے وہ ہم سفر ساتی
جنھیں دو گام بھی چلنا ہمارے ساتھ مشکل تھا

(۶۳)

غزل

مریض غم کے منہ تک کھنچ کے قلب زار آتا ہے
عیادت کیلئے بیمار کی بیمار آتا ہے
لٹا کر راہ الفت میں کوئی گھر بار آتا ہے
یہ ہے وہ ادا فطرت کو جس پر پیار آتا ہے
نماز حق میں بھی اب تو خیال یار آتا ہے
قیامت ہے کہ دام کفر میں دیندار آتا ہے
کسی سے جب بھی ذکر گلشن بے خار آتا ہے
تو ہم کو یاد تیرا پھول سا رخسار آتا ہے
اجازت ہو تو پیاسوں کو خبر پیر مغاں کر دوں
کہ گھر کر میکدے پر ابر دریا بار آتا ہے
ترس جاتا ہوں برسوں بات کرنے کو کہ میرے گھر
نہ دشمن کوئی آتا ہے نہ اب غمخوار آتا ہے

قلم اہل قلم نصرت میں حق کی یوں اٹھے جیسے
سپاہی ہاتھ میں کھینچے ہوئے تلوار آتا ہے
یہ دنیا تو ہے خوابیدہ ضمیروں کیلئے شائد
ہزاروں میں یہاں اک مردم بیدار آتا ہے
شرارت تو نہیں تیری نگاہ شوخ کی ظالم
مقابل کیوں ہمارے چرخ کج رفتار آتا ہے
ہٹادے ماہ وانجم کوئی تو میری نگاہوں سے
کہ مجھ کو یاد رہ رہ کر جمال یار آتا ہے
نگہ میں پھرنے لگتا ہے دل برباد کا نقشہ
نظر جب بھی کوئی اجڑا ہوا بازار آتا ہے
نماز عشق کے قائل زکاۃ حسن کے منکر
تیری کافر اداؤں پر خدا کو پیار آتا ہے
جہاں پر سرحدیں ملتی ہیں آکر حسن والفت کی
وہیں سے زندگی کا راستہ پرخار آتا ہے

غزل

سامان جشن فصل بہاراں کرینگے ہم
پھر آج چاک اپنا گریباں کرینگے ہم

اک درد لاعلاج کا درماں کرینگے ہم
زخم جگر کو نذر نمکداں کرینگے ہم

گر بجھ گئے چراغ مسرت تو کیا ہوا
دل کو جلا کے گھر میں چراغاں کرینگے ہم

پھوٹی ہیں جی میں کونپلیں غم کی تمھارے بعد
اس گلستان غم کو نہ ویراں کرینگے ہم

ہاں دیکھ دل میں تیرے نہ حسرت رہے کوئی
پھر انتظار تیرا اے طوفاں کرینگے ہم

اپنے لہو کی چھینٹوں سے اے انقلاب وقت
رنگین اور کچھ تیرا داماں کرینگے ہم

اہل جناں سے کہہ دو کہ ہولیں ہمارے ساتھ

چمن کی آبرو جو ہے، ہے جس سے رونق گلشن
وہی گل حیف بکنے کو سر بازار آتا ہے
جہاد زندگانی میں یہ خوف و بیم کیا معنیٰ
پیام موت تو اے دل فقط اک بار آتا ہے
خدا سمجھے ان آنکھوں سے کہ راہ دوست میں ساقی
ہر اک آنسو میرا خود بن کے اک دیوار آتا ہے

.....

(۶۴)

غزل

چراغ عشق کی دل میں جو روشنی آئی
جھکی جبین وفا خود سے بندگی آئی
چھڑا جو ذکر کسی بے وفا کا محفل میں
بھر آئے دیدۂ دل یاد آپ کی آئی
اُجالے جتنے بھی تھے حسن نے سمیٹ لئے
غریب عشق کی قسمت میں تیرگی آئی

اشارہ پاکے تیری جاں نوازنظروں کا
مجھے منانے میرے در پہ زندگی آئی
نگاہیں لڑنے لگیں مشتری وزہرہ سے
مزاج دہر میں اب کچھ شگفتگی آئی
کسی کی یادنے خلوت میں کیاقدم رکھا
اُداس غنچۂ دل پر بہار سی آئی
ہماری فکررساں رک سکی نہ روکے سے
کہاں کہاں سے یہ بہتی ہوئی ندی آئی
وہیں سے راہیں بدل جائینگی اے دل اپنی
تیری روش میں جہاں سے کہ کجروی آئی
جو چلتے وقت تیرے ساتھ ہوگئی تھی کبھی
پلٹ کے پھرنہ میرے گھروہ روشنی آئی
جہاں جہاں بھی گیامیں وہاں وہاں ساقی
میرے وطن کی مجھے یاد ڈھونڈھتی آئی

(۶۵)

غزل

رکھتے نہیں ہیں کوئی غرض بحر و بر سے ہم
بیزار ہو چکے ہیں ہر اک خشک و تر سے ہم

اٹھتے ہیں راہ عشق میں یوں خود بخود قدم
واقف ہوں جیسے پہلے سے اس رہگذر سے ہم

ہر آبلہ یہ پاؤں کا کہتا ہے پھوٹ کر
منزل سے پہلے چھوٹ گئے ہم سفر سے ہم

کس طرح دل میں غیر کے کرتے ہیں اپنا گھر
سیکھیں گے اس چلن کو نسیم سحر سے ہم

تم نے نظر سے اپنی گرایا کچھ اس طرح
خود گر گئے ہیں آپ ہی اپنی نظر سے ہم

آئینہ بن کے شوق میں حسن جمال کا
اب تم کو دیکھتے ہیں تمھاری نظر سے ہم

فکرِ معاش و کشمکشِ زندگی میں آہ
ساقیؔ ہزار حیف چھٹے اپنے گھر سے ہم

---

(۶۶)

غزل

فکر و نظر یقین و خیالات مختلف
اہلِ جنوں کی ہوتی ہے ہر بات مختلف

دنیا کو بے نقاب جو کرنے کا تھا خیال
کھاتا رہا فریب میں دن رات مختلف

کیوں رُت چمن میں آئی نہ اب کی بہار کی
سننے میں آرہی ہیں روایات مختلف

لب پر ہنسی کسی کے کوئی اشکبار ہے
ہر آدمی کے ہوتے ہیں حالات مختلف

ناکامیٔ حیات کا دنیا میں کیا جواب
کرتا رہا زمانہ سوالات مختلف

وہ سرپھراہوں میں جسے خوداپنی ذات سے
دن رات بڑھ رہی ہیں شکایات مختلف
دنیائے اعتبار بھی شاید کہ لٹ گئی
آنے لگے ہیں دل میں سوالات مختلف
یہ بھیگی بھیگی آنکھیں یہ چہرہ دھواں دھواں
ہیں کیفیات دل کی علامات مختلف
ساقیؔ کی میکشی بھی زمانے سے ہے جدا
مئے اس کی مختلف ہے خرابات مختلف

---

(۶۷)

غزل

ہوں گلستان وطن میں کہ دشت غربت میں
سکون اہل جنوں کے نہیں ہے قسمت میں

کبھی کبھی تو بہت ہم پہ بار گذرا ہے
وہ وقت کاٹا ہے جو دوستوں کی صحبت میں
خود اپنے شہر کی گلیوں سے یوں گذرتا ہوں
بھٹک گیا ہو کوئی جیسے راہ غربت میں
ہمارے حوصلہ کی داد دینگے اہل جنوں
کہ بے سہارا نکل آیا دشت غربت میں
کہیں پہ ٹھہرنے دیتا نہیں ہے وقت اسے
نہیں قرار ہے باد صبا کی قسمت میں
خزاں کو گذرے ہوئے اک زمانہ بیت گیا
نہ فرق آیا کوئی گلستان کی قسمت میں
تمام عمر کا اپنی نچوڑ ہیں ساقیؔ
وہ تجربات جو حاصل ہوئے محبت میں

(۶۸)

غزل

سکون قلب کو زندہ دلی کو ترسوگے
ہمارے بعدتم اس زندگی کو ترسوگے

چراغ خانۂ مفلس ضرورہوں لیکن
جوبجھ گیاتومیری روشنی کو ترسوگے

برے ہیں ہم کہ بھلے ہیں مگرہمارے بعد
ہمیں یقین ہے تم دوستی کو ترسوگے

بتارہی ہے یہ رفتار نبض وقت رواں
رہوگے زندہ مگر زندگی کو ترسوگے

قدم جوجم گئے انساں کے چاند تاروں پر
تو چاند تاروں کی تم روشنی کو ترسوگے

تفکرات کے دیپوں کی روشنی ہے یہاں
یہ شہر ہے یہاں آسودگی کو ترسوگے

کھڑا ہے وقت کا خیاط ہونٹ سینے کو
ابھی تم ہنس لوکہ پھرتوہنسی کو ترسوگے
یہی رہا جو نظام چمن تو اہل چمن
چمن میں رہ کے بھی اک اک کلی کو ترسوگے
خردہے تنگ نظراس کے دام میں آکے
جنوں کی دی ہوئی دیدہ وری کو ترسوگے

---

(۶۹)

غزل

ٹھیس اس کونہ کہیں سنگ تغافل کی لگے
شیشۂ دل سے ذرا دور ہی پتھر رکھئے
توڑئے تیشۂ ہمت سے حصار تقدیر
آپ اپنے کو نہ باپند مقدر رکھئے

صرف کرنے سے جو بڑھتی ہے وہ ہے دولت علم
اس خزانہ کو نہ سینے میں چھپا کر رکھئے
راہ الفت میں وفا شرط ہے رہرو کیلئے
راہ الفت میں قدم سوچ سمجھ کر رکھئے
زخم بھر دیتے ہیں اخلاص کے پھاہے اکثر
آنکھ بند کر کے نہ پھر زخم پہ نشتر رکھئے
میکدے میں تو نہیں چاہئے ساقیؔ تفریق
آپ ہر رند کو نظروں میں برابر رکھئے

---

(۷۰)

غزل

بلند مرتبہ عالی مقام کہتے ہیں
ہم اپنے ظرف کو اپنا امام کہتے ہیں

تمھارے تذکرے ہوتے ہیں جن سے راتوں کو
تمھیں وہ چاند ستارے سلام کہتے ہیں
وہ مئے جو دور غم روز گار کرتی ہے
جناب شیخ اسی کو حرام کہتے ہیں
میرے قدم سے قدم وہ ملا کے چل نہ سکے
زمانے والے ہمیں تیز گام کہتے ہیں
ٹھوکے دیکے جگاتی ہے سونے والوں کو
صبا کو کس لئے سب خوش خرام کہتے ہیں
رہے نہ ہوں جو کبھی تشنہ کام اک لمحہ
وہ جانیں کیا کہ کسے تشنہ کام کہتے ہیں
بہاروں جن کو تمھارا ہے انتظار بہت
تمھیں ادب سے وہ غنچے سلام کہتے ہیں
وطن کو جاتے ہیں کچھ خوش نصیب اے ساقیؔ
کچھ آپ اہل وطن سے پیام کہتے ہیں

ہرمنزل حیات کوآساں کرینگے ہم
مایوس چارہ ساز جو ہوتے ہیں ہونے دو
اے وقت تیرے درد کا درماں کرینگے ہم
پھرجائے گی نگاہوں میں تصویر آپ کی
یک جا،جونہی خیال پریشاں کرینگے ہم
اک شغل زندگی کو بہرحال مل گیا
جب تک جئیں گے ماتم ارماں کرینگے ہم
ہم آپ اپنی موت کا ساماں کرینگے اب
تم پرنہیں خود اپنے پہ احساں کرینگے ہم
موقوف آشیاں ہی پہ اے برق کچھ نہیں
اپنے چمن پہ جان بھی قرباں کرینگے ہم
کانٹے ہی گرنصیب میں اپنے لکھے ہیں تو
آباد جاکے کوئی بیاباں کرینگے ہم
سو بار حسن مصر کے بازار میں بکے
لیکن نہ جنس عشق کو ارزاں کرینگے ہم

(۷۱)

غزل

الفت ہے آپ سے مجھے الفت ہے آپ سے
ہاں ہاں وہی ہوں جن کو محبت ہے آپ سے

کیوں آپ کے خیال سے پاتا ہے دل قرار
دل کو ضرور کوئی تو نسبت ہے آپ سے

ہے ذکر آپ کا وجہ تسکین روح وجاں
یعنی کہ زندگی میں حرارت ہے آپ سے

کہتا ہوں بے وفا تو برا مانتا ہے وہ
کیا جانے دل کو پھر بھی عقیدت ہے آپ سے

عہد وفا کا پاس نہ وعدے کا کچھ خیال
حیرت ہے آپ سے مجھے حیرت ہے آپ سے

بھولے سے اس کو آپ نے پوچھا نہ ایک دن
ساقی کو مخلصانہ شکایت ہے آپ سے

(۷۲)

غزل

چمن کی وہ پہلی سی حالت نہیں ہے
وہی گل ہیں لیکن وہ نکہت نہیں ہے
انھیں کچھ لحاظ محبت نہیں ہے
ہمیں ترک الفت کی عادت نہیں ہے
قدم تم نے کشتی میں رکھا ہی کیوں تھا
جو طوفاں سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے
چمن میں تو ہے آشیانے کی وسعت
دل باغباں میں ہی وسعت نہیں ہے
جو ہو عزم محکم تو راہ عمل میں
پہاڑوں کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے
بہاریں تو آتی ہی رہتی ہیں لیکن
ہمیں کو بہاروں سے نسبت نہیں ہے

ہوئے ہیں شریک قدم وہ ہمارے
جنھیں ساتھ دینے کی عادت نہیں ہے
وہ کیا غم مٹائینگے اوروں کا ساقی
جنھیں عیش دنیا سے فرصت نہیں ہے

---

(۷۳)

غزل

دامن کی دھجیوں سے گریباں سے پوچھ لو
میرے جنوں کو فصل بہاراں سے پوچھ لو
کیسے چمک گئی میری پیشانی سیاہ
اس انقلاب کو در جاناں سے پوچھ لو
کیونکر تمھارے ہجر میں کاٹی شب الم
تاروں سے پوچھ لو مہ تاباں سے پوچھ لو

زنداں میں رونے والے کے دل میں جورہ گئی
اس حسرت رہائی کوزنداں سے پوچھ لو
احوال میرا لالہ و گل کے بجائے تم
دشت بلا و خار مغیلاں سے پوچھ لو
کن کن مصیبتوں سے لگائی ہے ناؤ پار
ساقیؔ کے بدلے اچھا ہے طوفاں سے پوچھ لو

---

(۷۴)

غزل

ابترنظام میکدہ پیرمغاں ہے آج بھی
کل تک جوتشنہ کام تھا تشنہ دہاں ہے آج بھی
بعد ہمارے دیکھئے بنتا ہے صید اور کون
ہاتھ میں تیرے کس لئے تیروکماں ہے آج بھی
آپ سے کیا کہ آپ تو، توڑ کے دل چلے گئے
آنکھ سے اک غریب کے اشک رواں ہے آج بھی

جوڑ دے ایک بار پھر ٹوٹے ہوئے دلوں کو جو
ہاتھ وہ پیار کی نظر جنس گراں ہے آج بھی

موسم گل میں بھی ہے ڈر پھول کا رنگ دیکھ کر
پوچھ نہ لے کوئی کہ کیا دور خزاں ہے آج بھی

بس نہیں گو کہ آپ پر آپ کی یاد پر تو ہے
ساقیؔ کے دل میں آپ کی صورت نہاں ہے آج بھی

چھوٹے ہوئے قفس سے گو ایک زمانہ ہو گیا
خوبیٔ بخت سے مگر لب پر فغاں ہے آج بھی

برق تپاں نے آشیاں پھونک دیا تو کیا ہوا
سینے میں دل ہے دل میں دوست عزم جواں ہے آج بھی

بزم طرب سے تو کبھی باہر نکل کے دیکھ لے
چہرۂ فاقہ مست پر اڑتا دھواں ہے آج بھی

مدتیں ہو گئی ہیں دوست تجھ سے جدا ہوئے مگر
تیرے بغیر زندگی بارِ گراں ہے آج بھی

کیا ہوا ساتھیوں اگر خوف خزاں نہیں رہا
دشمن اہل گلستاں ہم میں نہاں ہے آج بھی

اس کے سوا تو اور کچھ کہہ نہیں سکتے منھ سے ہم
دل پر گذر رہی ہے جو تجھ پہ عیاں ہے آج بھی

کون ہے جس کو شکوہ ٔ جور بتاں نہیں مگر
لطف تو یہ ہے ہر جگہ ذکر بتاں ہے آج بھی

جن کے لئے بہار ہے کتنے وہ خوش نصیب ہیں
ممکن بہار گلستاں ہم کو کہاں ہے آج بھی

تیرا بھلا ہو دردِ دل تیری سبب سے ہر گھڑی
شام وسحر کسی کا نام وِرد زباں ہے آج بھی

طالب راہ سے کوئی پوچھے تو اس کا مرتبہ
جس کا ہر ایک نقش پا، سنگ نشاں ہے آج بھی

پھینک کے تیر سوئے دل لگ گیا کوئی اپنی راہ
طائر بدنصیب آہ خون چکاں ہے آج بھی

سنتے ہیں ساتھ وقت کے ہوتا ہے غم غلط مگر
ساقیؔ بدنصیب تو ماتم کناں ہے آج بھی

---

(۷۵)

غزل

کون آباد کیا کرتا ہے ویرانے کو
یہ شرف بخشا ہے اللہ نے دیوانے کو

ہائے کیا ہوگئی ارباب وفا کی غیرت
شمع کی لو سے بچاتے نہیں پروانے کو

بے وفا دل تو میرا ٹوٹ چکا یہ تو بتا
ہوگا پیمان وفا اب کسے بہلانے کو

جو بھی اس دور میں ہوجائے وہ کم ہے ساقی
ناسمجھ عقل بتانے لگے فرزانے کو

علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام

ہتھیار تیرے سامنے ڈالیں گے اور لوگ
تجھ سے جہاد گردش دوراں کرینگے ہم
لائیں گے تیرے واسطے غم ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے
اے دل تجھے نہ بے سروساماں کرینگے ہم

.....

مادرِ ہند کا خطاب

(۱)

میرے بچو! میری ڈھارس میرے دل کے ٹکڑو
آج طوفانِ بلا میں ہے تمھاری مادر!
ماں کی آغوش سے محروم تمھیں کرنے کو
بڑھتا آتا ہے میری سمت عدو کا لشکر
بانیِ ظلم وستم مائلِ بیداد میں آج
ایک گردن کے لئے نکلے ہیں لاکھوں خنجر
اس خطا پر کہ میں ہوں امن واماں کی دیوی
مجھ سے آمادۂ پیکار ہوئے ہیں خودسر
باعثِ ننگ ہیں یہ آدم وحوا کیلئے
ایک دھبہ ہیں یہ انساں کے حسیں چہرے پر
رہزنِ جادۂ حق دشمنِ انصاف ہیں یہ
امنِ عالم کیلئے ہیں یہ زبردست ضرر

نام کتاب	:	احساسات
شاعر	:	سیّد اولاد علی رضوی (ساقی لکھنوی)
ترتیب	:	شمیم حیدری
مطبوعہ	:	الخطاط، امام باڑہ ناظم صاحب ۱۱۰، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ
موبائل	:	9305887047
سن اشاعت	:	2009
تعداد	:	500
قیمت	:	150/=

○○○○○○○○○○○○○

نفرت وبغض وعداوت کے پرستار ہیں یہ
دل نہیں ان کے تو سینوں میں چھپے ہیں پتھر
ان کے ہاتھوں میں اگر ہوگئی بربادو تباہ
ہاتھ کوئی بھی نہ رکھے گا تمھارے سر پر
امتحاں آج ہے غیرت کا تمھاری پیارو!
طوق وزنجیر دکھیاتے ہیں مجھے بانی شر
تاج آزادی کا گر چھن گیا ماں کے سر سے
شرم سے پھر نہ اٹھاپاؤ گے تم اپنی نظر
پنجۂ ظلم سے ماتا کو چھڑا لو شیرو!
رن میں تم آج شجاعت کے دکھادو جوہر
ماں کو ہے ناز شجاعت پہ تمھاری ویرو
ہو تمھیں آن مری شان مری میری سپر
سانپ ہیں سانپ کچل دو انھیں اسطرح کہ پھر
نہ اٹھا پائیں یہ ارباب ستم اپنا سر
توڑ دو دست ستم دشمن ناپاک کا تم
لاج ماتا کی میرے لاڈلو رکھ لو بڑھ کر

میرے بچو میری ڈھارس میرے دل کے ٹکڑو
آج طوفان بلامیں ہے تمھاری مادر

نظم

(۲)

عاشق حسن چمن ۔حسن چمن کی خاطر
ناظر سر و سمن سر و سمن کی خاطر
میکش گنگ و جمن ۔گنگ جمن کی خاطر
رہروِ کوہ ودمن کوہ دمن کی خاطر
لے کے انگڑائی اٹھو شیرزیاں کے مانند
حوصلے خاک میں ظالم کے ملادو بڑھکر
آگ صیاکے ترکش میں لگادو بڑھکر
قلعۂ دشمن خودسر کو گرادو بڑھکر
سرحد ہندسے غاصب کو ہٹادو بڑھکر

آج دنیا کی نگاہیں ہیں تمھاری جانب
کامراں غاصب وظالم کو نہ ہونے دینا
شرپسندی کے یہاں بیج نہ بونے دینا
اپنے اسلاف کی عزت کو نہ کھونے دینا
چین سے دشمن بھارت کو نہ سونے دینا
خرمن چین پہ تم قہرخدا بن کے گرو
ہند کی آن ہو تم ہند کے معمار ہو تم
بات کے تم ہو دھنی آہنی دیوار ہو تم
کاٹ دے سر جو حریفوں کا وہ تلوار ہو تم
جو صفیں چیردے دشمن کی وہ جرار ہو تم
آنکھ وہ پھوڑ دو جو گھور کے تم کو دیکھے
ہے یہی وقت کہ دکھلا دو شجاعت کا چلن
توڑ کر ساز طرب باندھ لو تم سر سے کفن
سرفروشوں تمھیں دیتی ہے صدا خاک وطن
بڑھ کے تلوار کو چومو کہ یہی اب ہے دلہن
اپنے اسلاف کے خوابوں کی تمھیں ہو تعبیر

اپنی اس خاک کے ہر معبد رعنا کیلئے
گوردُواروں کی تمازت دل آرا کیلئے
اپنی مسجد کیلئے اپنے کلیسا کیلئے
اپنے مندر کیلئے اپنے اجنتا کیلئے
اپنی دھرتی کو لٹیروں سے بچانا ہوگا

اہل کیں ہند کو کہتے ہیں بنائیں مقتل
روح ٹیپو کی ہے فردوس بریں میں بیکل
یاس سے آج تمھیں دیکھتا ہے تاج محل
گوشۂ قبر میں بے چین ہیں شاہان مغل
پرچم ہند کی غیرت ہے تمھارے ہاتھوں

بھیم کی دھن کی قسم کرشن کی ہستی کی قسم
شاہ اختر کی قسم لکشمی بائی کی قسم
تاجداران اودھ نانک و چشتی کی قسم
اپنے باپو کی قسم جذبۂ قومی کی قسم
مادر ہند کا سر نیچا نہ ہونے دینا

.....

ترانہ

(۳)

ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں
ہم حسن چمن ہم ریگ چمن ہم ننھی منی کلیاں ہیں
ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں

ہیں آج کلی کل ہم کو ہی باپو وجواہر بننا ہے
بھارت کے ترنگے جھنڈے کو کچھ اور بھی اونچا کرنا ہے
ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں

ہم رام کنہیا نانک کی تعلیم نظر میں رکھتے ہیں
عیسیٰ و محمد گوتم کی ہم دل سے عزت کرتے ہیں
ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں

اس دیش کے کونے کونے میں بہتے ہیں محبت کے دریا
آنکھوں سے ہماری تم دیکھو کیا سندر ہیں گنگا جمنا
ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں

یہ صبح بنارس شام اودھ یہ قلعہ اور یہ تاج محل
کشمیر کی وادی کے جھرنے چمکے جیسے چھن چھن پائل
ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں

جس طرح کہ دھارے ندیوں کے سنگم پہ آ کے ملتے ہیں
ویسے ہیں مسلماں ہندو سکھ اس دیش میں مل کر بستے ہیں
ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں
ہم گلشن بھارت کے پنچھی ساقی کا ترانہ گاتے ہیں
اخلاص و محبت کے نسخے ہر شام و سحر دہراتے ہیں
ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں

.....

نظم

(۴)

بدیسی سامراج

یاد تو ہوگا تجھے ساتھی بدیسی سامراج
جس نے چھینا تھا ہمارے سر سے آزادی کا تاج
لوٹتا تھا گلشن بھارت لٹیرا باغباں
صنعت وحرفت کا اپنے دیش میں اک کال تھا
ملک پر پھیلا بدیشی تاجروں کا جال تھا
نقش پر تاج و ابتر کے خزاں کی گرد تھی
ہند کے ہر ایک گوشہ کی فضا مسموم تھی
صبح کاشی پر محن شام اودھ مغموم تھی
بھول سکتے ہیں بھلا جلیان والا باغ ہم
روز ہی دل پر اٹھاتے تھے نیا اک داغ ہم
وہ بھگت سنگھ اور ٹیپو کی کہانی یاد ہے
عاشق ملک و وطن جھانسی کی رانی یاد ہے

سرے اونچا ہوگیا پانی جو ظلم و جور کا
خاتمہ بھی ہوگیا آخر بدیسی دور کا
توڑ کر بند غلامی دے کے دِلوالوں کا خوں
ہوگئے ہم سربلند اور سارے دشمن سرنگوں
دور آزادی ہُوا آیا جہاں میں انقلاب
ظلم کی طاقت مٹی اور ہوگئے ہم کامیاب
کیوں نہ ہوتا اپنی کوشش میں وہ رہبر کامیاب
پنتھ جیسا باارادہ تھا جو اس کے ہم رکاب
دیش ویروں نے دلائی ہم کو زنداں سے نجات
اہل دنیا کے مقابل رہ گئی باپو کی بات
جس کا احساس عمل اک آہنی دیوار تھا
حوصلہ جس کا وطن کی ناؤ کا پتوار تھا
دیش کی خاطر تھی جس کی وقف ساری زندگی
سامراجی قید میں جس نے گذاری زندگی
جس نے توڑا امن سے جاگیردارانہ نظام
صبح روشن ہوگئی جس سے کسانوں کی بھی شام

جس نے حسن فکر سے گلشن سنوارا دیس کا
جس کے دم سے ہے ترقی پر ستارا دیس کا
شانتی سے کام گر کرتا رہا سارا وطن
رفتہ رفتہ پر بہار ہوجائے گا اپنا وطن
ہے دعا ساقی کی بھارت کا نشاں قائم رہے
میکشوں میں نشۂ حبِّ وطن قائم رہے

.....

(۵)

پیام عید

جھلک رہی ہے افق کے حسیں جھروکے سے
وہ صبح جس کو تمنا کی دید کہتے ہیں
جبین شاہ وگدا پر دمک رہی ہے ندیم
وہ روشنی کی جسے روزِ عید کہتے ہیں
عیاں ہے رنگ مسرت ہر ایک چہرے سے
حیات راہ رضا سے گزر کے آئی ہے
سحر کا ساغر بلور دیکھ کر لبریز
نگاہ مومن تشنہ کی مسکرائی ہے
ہوئی ہے انکو ریاضت کی کوئی فتح نصیب
ہجوم سا نظر آنے لگا دیاروں میں
نسیم گل سے بھی دلکش شمیم پیراہن
عجب بہار سی آئی ہے حق گزاروں میں

ساقی لکھنوی

تعارف

ساقی لکھنوی کے والد جناب حکیم سید حیدر علی صاحب جو اپنے وقت کے مشہور اور بڑے حکیم تھے جنکا مکان رستم نگر درگا حضرت عباسؑ کے پاس تھا۔ وہیں حکیم موصوف کے دو بیٹوں کی ولادت ہوئی بڑے بیٹے جناب سید ابن علی صاحب کی ولادت ۱۹۱۵ء میں ہوئی اور چھوٹے بیٹے جناب اولاد علی صاحب ساقی کی ولادت ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔

بڑے بیٹے سید ابن علی صاحب نے لکھنؤ یونیورسٹی سے قانون کی سند حاصل کی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا جنکا شمار لکھنؤ کے مشہور اور بڑے وکلاء میں ہوتا تھا۔ وکیل صاحب موصوف کا ۱۹۸۸ء میں انتقال ہو گیا۔

جناب ساقی صاحب نے شیعہ کالج لکھنؤ میں

مگر ندیم جو سرخت بھوک و پیاس کے بعد
ملی ہے اہل تمنا کو صبح میخانہ
یہ صبح حاصل ایام تشنگی تو نہیں
تقاضے اور بھی کرتا ہے عزم مردانہ
ذرا نگاہ تو کرنا کہ صحن ہستی میں
اداس تو نظر آتا نہیں کوئی چہرہ
کچھ اس طرح سے لٹائیں جہاں میں عید کے پھول
کوئی جبیں نظر آئے نہ آج بے سہرہ
وہ دن جو رحمت باری کا خاص ہوتا ہے
وہ دن تو عام کیا جائے زندگی کیلئے
یہ دن جہان کا دن ہے یہ دن عوام کا دن
کہ آفتاب ہے عالم کی روشنی کیلئے
بڑھاؤ ہاتھ گلے سے ملو قریب آؤ
دلوں کو بادۂ اخلاص میں ڈبوڈالیں

تمام دل نظر آئیں اک آئینہ کی طرح
دلوں میں گرد کوئی ہو تو اسکو دھوڈالیں
تمھاری شان امارت کو دیکھ کر نہ کہیں
کسی غریب کا چہرہ ملول ہوجائے
خیال خلق بھی رکھو خدا کے ذکر کے ساتھ
کہ جو بھی سجدہ کرو تم قبول ہوجائے
تم اس کریم کی امت ہو تم کو یاد رہے
کہ جس کریم کا پیغام ہے کہ پیار کرو
خدا بھی تم سے ہو راضی خدا کے بندے بھی
تم اس جہان میں وہ راہ اختیار کرو

---

(۶)

پیغام شوق

یہی ہے وقت کہ پیغام شوق پہونچادیں
اب اورکس لئے اے دوست انتظارکریں
ابھی سکون کی منزل کہاں قریب آئی
کچھ اوربھی دل مضطر کو بیقرار کریں
یہ سیل ہے سبب دل شکستگی لیکن
شکستہ ناؤ کو ساحل سے ہمکنار کریں
جوانیاں ہیں یہی دن ہیں بوجھ اٹھانے کے
سروں پہ آؤ فرائض کا اور بار کریں
نہ دیں فریب نگہ کوحسیں نظاروں سے
نظر کو تلخ حقائق سے بھی دوچار کریں
خرد کو کام بنانے سے کام بگڑے ہیں
عمل پسند جنوں کو صلاح کار کریں

بسائیں مہرو وفا سے خرابۂ دل کو
بنائے عشق و محبت کو استوار کریں
نئے شباب نئے عہد کا تقاضہ ہے
جنوں سے عشق کریں زندگی سے پیار کریں
جسے مٹا نہ سکیں آندھیاں حوادث کی
وفا و مہر کی قائم وہ یادگار کریں
جو ملک وقوم کی خدمت میں صرف ہوجائے
حیات میں اسی لمحہ کو ہم شمار کریں
کچھ اس خلوص سے دنیا کے دل کو اپنائیں
کہ خود ہمارے عدو ہم سے بڑھ کے پیار کریں
نظر اٹھائیں نہ بہر مدد کسی کی طرف
خود اپنے قوت بازو پہ اعتبار کریں
نظر چرا کے جو گزرا ہے پاس سے اکثر
بڑھو کہ آج اسی وقت کو شکار کریں
ہمارے ساتھ چلے قافلہ زمانے کا
ہم اہل قافلہ وہ راہ اختیار کریں

---

(۷)

دیوالی

وہ ایک رسم سہی پھربھی فرض تھامیرا
کہ دوستوں کودیوالی کی تہنیت دینا
مگرمیں کیاکروں اس دل کو جو تصنع کا
کسی بھی دورمیں اک لمحہ ہمنوانہ ہوا
نظرمیں اپنے دکھاوے کی سَت باتیں ہیں
گلوں کوچھیڑرہی ہے ہواہنسی کے لئے
گلی گلی ہے چراغاں دلی خوشی کیلئے
دیئے چمکتے ہیں ہرگھرمیں روشنی کیلئے
ہرایک شئے میں کسی شئے کی ہے کمی پھربھی
دلوں کا زنگ اگر تم ذرا چھڑا دیتے
چراغ امن ومحبت بھی گرجلادیتے
فضا کو پیار کی شمعوں سے جگمگا دیتے

ہراک سے پیار ہے ہم کو جو یہ بتادیتے
تو چار چاند زمانے میں اور لگ جاتے
ملی تھی اس لئے کیا ہم کو لکشمی دیوی
کہ گھر میں رکھ لو اُسے تم بنا کے اک قیدی
بجھا سکے نہ وہ پیاسوں کی کچھ بھی تشنہ لبی
غریب جنتا کو اس پر ہے نہ حق کوئی
کبھی دیوالی کے دن تم نے یہ بھی سوچا ہے
دلوں کو یاد ہے ابتک وہ رنگ و نور کی شام
پلٹ کے آتے تھے بن باس سے وطن جو رام
شرابِ صدق و صفا سے چھلک رہے تھے جام
دیا تھا اہل زمانہ کو رام نے جو پیام
وہ امن دہر کا پیغام یاد ہے کہ نہیں

---

(۸)

شمیم کرہانی کی یاد میں

نظم

وہ ایک شاعر فطرت وہ اک ادیب عظیم
امیر حلقہ ارباب فکر اپنا شمیم
رواں تھی راہ سخن میں یوں اس کی طبع سلیم
کہ جیسے صحن گلستاں میں موجزن ہو نسیم
ہر ایک شب کا وہ لفظوں میں کھینچتا نقشا
قلم پہ اس کے گماں یوں قلم کو ہوتا تھا
کلید علم و ادب رمز آشنائے سخن
جہاں میں آیا تھا پہنے ہوئے قبائے سخن
نہیں تھی اس کے سخن میں ذرا بھی جائے سخن
غلط نہیں جو کہیں اس کو ہم خدائے سخن

نکالتا تھا نئی راہیں وہ سخن کے لئے
بلا کا ذہن ملا تھا کمال فن کے لئے

بلیغ اس کے مضامیں سلیس طرز ادا
تھا اس کا حسن بیاں شاعروں میں سب سے جدا

کیا تھا اسکو خدا نے دلِ گداز عطا
لقب مصور فطرت کا اس پہ زیبا تھا

پسند خاطر اہل نظر تھا اس کا کلام
رہے گا زندہ جہانِ ادب میں اسکا کلام

عجب طرح کی تھی شوخی مزاج میں اس کے
اچھوتے ڈھونڈتا مضمون وہ غزل کے لئے

ادب کے پیاسے جہاں تشنگی بجھاتے تھے
وہ ایک چشمہ تھا جس کے ہزار تھے دھارے

نئے خیال نئی بندشیں۔ نیا اسلوب
شمیم اہل نظر کا تھا شاعر محبوب

وہ اسکی سحر بیانی وہ اس کا طرز بیاں

کہ سننے والوں کو ساحر کا اس پہ ہوتا گماں
سنوارتا تھا سخن کی وہ سنبل پیچاں
تھا اپنی جا پہ ہراک شعر اسکا اک دیواں
تھی عکس گل کی اسے جستجو بیاباں میں
ہوئی تلاش سحر اس کو برق وباراں میں
مشاعروں کی وہ زینت تھا میر محفل تھا
بندھی تھی چار طرف اس کے فکر وفن کی ہوا
دلوں کو کھینچتی تھی اس کی شاعرانہ ادا
تھا اس کے فن میں باب گویا گھلا
تھا گرم اس کے کمالات علم کا بازار
وہ ایک گوہر یکتا تھا مشتری تھے ہزار
بدیشی راج سبھی پر گراں گذرتا تھا
فرنگیوں سے جہاد قلم وہ کرتا تھا
رجز کا زور وہ نظموں میں اپنی بھرتا تھا
وطن سے عشق تھا اس کو وطن پہ مرتا تھا
سند یہ لکھ گیا نہرو سا رہنمائے عظیم
کہ گیت گاتا تھا آزادیٔ وطن کے شمیم

قطعہ تاریخ

کلام وحسن بیاں کی کرشمہ سازی سے
کھلیں ادب کے شگوفے جووادی دل میں
تو ناقدانِ ہنرمیں دُعائے خیر کے ساتھ
شمیم شاعر فطرت کو آپ یاد کریں

.....

۱۹۷۵ء

تعلیم حاصل کی ۔دوران طالب علمی ساقی صاحب کے ماموزاد بڑے بھائی مشہور حکیم جناب سید اقبال رضا صاحب کی سرپرستی حاصل رہی جن سے انکو ادبی ماحول ملا۔اردو ادب سے دلچسپی اور طبیعت میں شاعرانہ صلاحیت کی وجہ سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔

ساقی :ملازمت کی تلاش میں دہلی چلے گئے اور وہاں ان کو مرکزی حکومت کی ملازمت بھی مل گئی دہلی کے طویل قیام کے دوران کو ادبی ماحول سازگار ملا جہاں ساقی صاحب باقاعدہ شاعری کرنے لگے۔

دہلی میں ان کے ہمعصر شعراء میں علامہ حضرت ہانی جائسی صاحب۔جناب شمیم کرہانی صاحب۔جناب مہدی نظمی صاحب لکھنوی۔جناب حیات لکھوی قابل ذکر ہیں۔

ملازمت سے سبکدوشی ''ریٹائر'' ہونے کے بعد لکھنؤ آگئے اور اپنے بڑے بھائی جناب ابن علی صاحب ایڈوکیٹ کے ساتھ چاہ کنکر بزازہ میں چند سال رہنے کے بعد اپنے عزیزوں سے ملنے کراچی پاکستان گئے۔وہاں بیماری کے سبب ۱۹۸۶ء میں انتقال ہوگیا۔ اور کراچی میں ہی سپرد خاک ہوئے۔دہلی میں ساقی صاحب کے شاگردوں کی اک طویل فہرست ہے۔میں اکثر ان کے پاس دہلی جاتی تھی تو دیکھا کہ آفس کے بعد ان کا زیادہ وقت شاگردوں کے کلام کی اصلاح میں

(۹)

روزعید

عیدکا روزہے نکھری ہے فضائے گلشن
یہ حسین جشن مبارک ہوتمھیں اہل چمن
آج ہر چہرہ پہ ہے مہرخدا نور فگن
آج توپاک ہے عصیاں سے ہراک کادامن
آج انسان نے پھرراہ رضاطے کی ہے
غوطہ زن ہی تو دُر بیش بہا پاتا ہے
سختیاں جھیل کے بیمار شفا پاتا ہے
اپنے اعمال کی ہرایک جزا پاتا ہے
کام کے بعد ہی مزدور صلا پاتا ہے

مژدۂ عید ریاضت کا ہے انمول ثمر
عیداک تحفۂ رحمت ہے برائے انساں
عیدہے فرض شناسی کااک احساس جواں
عیدہے عزم وعمل ہمت وجرأت کانشاں
وہ نشاں جس سے کہ منزل کاپتہ ملتاہے
ہے یہ اسلام کی تعلیم کہ راہب نہ بنو
دین کے ساتھ ہی دنیا کی بھی تم فکر کرو
اپنے ماحول کواعمال کے پھولوں سے سجو
زندگانی کیلئے جدو جہد کرتے رہو
زندگی نام ہے آزادی و خودداری کا
عید کا دن ہے کرو دوستو عزم محکم
ڈگمگائیں گے نہیں راہ صداقت پہ قدم
دامن صدق وصفاکونہ کبھی چھوڑینگے ہم
اونچا رکھیں گے سدا مہرو محبت کا علم
دشمن امن و اماں کونہ پنپنے دیں گے

دور وہ وقت نہیں جبکہ چمن میں ساقیؔ
کونپلیں شاخوں کی دیکھیں گی نئی صبح خوشی
کبرو بُعد ملکے بجائیں گے خوشی سے بنسی
کوچے کوچے سے یہ مستانہ صدا آئے گی
عید کا دن ہے گلے آج تو مل لو پیارے

(۱۰)

امتحان

ہماری غیرت قومی کا امتحان نہ لے
نفس نفس میں ہے گلزار ہند کی خوشبو
ہمارے نغموں سے پھیلی ہے شانتی ہر سو
ہمارے سینے سے پھوٹی ہے آشتی کی کرن
جہاں نے سیکھا ہے اخلاص کا ہمیں سے چلن
ہماری غیرت قومی کا امتحان نہ لے

بس اس خطا پہ کہ ہم ہیں امین امن واماں
بنا رہا ہے تو اپنی جفا کا ہم کو نشاں
ہمارے پیار کو نادان دشمنی نہ سمجھ
ہماری امن پسندی کو بزدلی نہ سمجھ
ہماری غیرت قومی کا امتحان نہ لے

جنوں کا نام خرد سے بدل نہیں سکتا
نتیجہ جنگ کا اچھا نکل نہیں سکتا
نہ شرم تجھکو جہاں کی رہی نہ خوف خدا
جہاد نام دیا ہے جفا شعاری کا
ہماری غیرت قومی کا امتحان نہ لے

ہے احترام ہماری نظر میں انسان کا
ہمیں بھی درد ہے کشمیر کے مسلماں کا
نثار ہند وطن کے شہید ہیں لاکھوں
ہمارے ساتھ بھی عبدالحمید ہیں لاکھوں
ہماری غیرت قومی کا امتحان نہ لے

(۱۱)

نظم ہندوستان

آستاں پیروں کا ہے گوتم و گاندھی کا چمن
رام و رحمٰن کے گاتے ہیں یہاں لوگ بھجن
چشمۂ علم و ادب امن و اماں کا مخزن
ہیں یہاں مہر و محبت کے رواں گنگ و جمن
ہند ہے ہند اسے رشک اِرم کہتے ہیں
جانتے سب ہیں مگر اُن سے یہ ہم کہتے ہیں

کون گستاخ تھا ناواقف آداب چمن
کس کی نظروں میں کھٹکتی تھی بہار گلشن
شاق تھی سروسمن کی کسے رنگین پھبن
کون ہاں کون تھا وہ وادی گل کا رہزن

جس نے دیوارگلستاں کے عقب سے آکر
صحن گلشن کی طرف چاہا تھا پھینکے پتھر

جس نے پھولوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا ابھی
جس نے گلشن کے عنادل کو ستایا تھا ابھی
جس نے اک شور گلستاں میں مچایا تھا ابھی
جس نے ہاں جس نے یہ طوفان اٹھایا تھا ابھی
کہدو اس سے کہ مہاپرشوں کی یہ بستی ہے
دیوی سیتا کے حسین سپنوں کی یہ بستی ہے

ذرے ذرے پہ یہاں رام کا ہے نام لکھا
ہرطرف گونجتی ہے کرشن کی بنسی کی صدا
محوآرام ہیں چشتی سے یہاں مردخدا
صوفشاں اب بھی ہے نانک کی ریاضت کادیا
دشمنوں سے کوئی کہہ دے کہ تمھیں یاد نہیں
جنت ہند ہے یہ جنت شداد نہیں

(۱۲)

آرزو صبح آزادی

عروس نو کیطرح نکلی اپنے حجرے سے
وہ مئے کہ جس کے لئے بیقرار تھے پیاسے
طلسم طلعت شب روشنی نے توڑدیا
حیات نیز کرن پھوٹی زندگانی کی
بکھیریں دوش چمن پر بہارنے زلفیں
چمن پہ چھا گئے آثار زندگانی کے
بدلتے وقت کے سورج نے درفشانی کی
زمنیں کے چاندستاروں کے بخت جاگ اٹھے
نصیب ہوتی نہ کیوں ان کومنزل مقصود
مسافران رہ عزم دُھن کے پکے تھے

ہوائے میکدہ لائی حیات کا مژدہ
ہرایک شاخ چمن مست ہوکے جھوم اٹھی
اٹھاتے رنج ومحن تا کے یہ اسیری کے
قفس کو توڑکے آزاد ہوگئے پنچھی
اشارہ وقت کا پاکر ہرایک طائر نے
گلوں کی چھاؤں میں بنیاد آشیاں رکھ دی
جلے چراغ امیدوں کے رہ گذاروں میں
بھٹک رہے تھے جورستہ میں ،پاگئے منزل
خدانے لاج رکھی ناخدا کی طوفاں میں
نصیب اہل سفینہ کو ہو گیا ساحل
نہال ہوگئی ہر اک کلی تمنا کی
مہک اٹھی گل بخت رساسے وادیٔ دل
نظرنواز نظاروں میں گم تھے دیدہ۔دل
کہ ایک صبح کی آواز دفعتاً آئی
کلیجہ ہل گیا شاعر کا خواب ٹوٹ گیا

نظر اٹھا کے جو دیکھا تو ایک دکھیاری
کھڑی تھی سامنے گردن جھکائے غیرت سے
نہ تن پہ کپڑے تھے پورے نہ پیٹ میں روٹی
یہ حال زار کسی ایک فرد کا تو نہیں
گلی گلی نظر آتے ہیں لوگ افسردہ
جسے بھی دیکھو وہی ہے شکار رنج و الم
اڑی اڑی سی ہے رنگت دھواں دھواں چہرہ
کہیں بغیر دوا کے پڑا ہے کوئی مریض
کسی کے پاس کفن کے لئے نہیں پیسہ
کہیں پہ فرقہ پرستی کا گرم ہے بازار
جہاز زیست کسی کا گھرا ہے طوفاں میں
کہیں پہ راستہ روکے کھڑی ہے ناداری
کہیں نفاق بھرا ہے دماغ انساں میں
کسی کے بخت میں حرماں و یاس لکھا ہے
لگی ہوئی ہے کہیں آگ باغ ارماں میں

مزہ تو جب ہے کہ کھل جائے ہر کنول دل کا
صبا سنادے ہر اک کو پیام عیش و سرور
رہے جہاں میں نہ کوئی بھی کشتۂ غربت
نگاہ حق میں بڑھ جائے عزت مزدور
چلیں ہوائیں مساوات کی زمانے میں
ہو عام مہر و محبت کا دہر میں دستور
کلی کلی پہ محمدؐ کا نام ابھرا ہو
روش روش پہ ہو نانک کی داستاں لکھی
ہوا کے ساتھ میں نغمہ ہو مرلی والے کا
لکھا ہو رام ہر اک شاخ پہ بہ حرف جلی
دل و دماغ کو ملجائے فرحت دائم
خلوص مہر و محبت کا ہو چلن جاری

صرف ہوتا تھا۔

سید اولاد علی رضوی ساقیؔ لکھنوی کا اُردو ادب کے شاعروں میں اپنا ہی ایک منفرد مقام ہے۔

شاعری کو انھیں نے اپنا مقصد حیات بنایا لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان کے کلام کو محفوظ رکھنے والا کوئی نہ تھا ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کا مجموعہ کلام دنیائے ادب کی نظروں سے گزرے۔ ان کی غزلیات خاص توجہ کی مستحق ہیں ان کی غزلیں کہیں پہ انسانی کیفیت نفسانی کو ظاہر کرتی ہیں۔ انھیں نے مختلف قسم کے تجربات اور محسوسات کو بڑی خوبی سے اپنی غزلوں میں نظم کیا ہے۔

ان کی غزلوں میں بار بارا کیلے پن کا احساس اور دنیا کی بے مروتی کا احساس موجود ہے انھیں نے انسان کے نازک احساسات کو اس خوبصورتی سے اپنی غزلوں میں بیان کیا ہے جو بڑے شاعر کی خوبی ہوتی ہے۔

انھیں نے غلام ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ باپو سے وہ بہت زیادہ متاثر تھے ہندوستان کی آزدی پر انکا بہت زیادہ کلام تھا جس کی حفاظت نہ ہوسکی چند نظمیں اور گیت ہیں جو اس مجموعہ میں شامل کئے جارہے ہیں۔

لکھنؤ کے ہوتے ہوئے بھی لکھنؤ میں ان کا قیام بہت

(۱)

غزل

امید وفا کیوں ان سے کریں خود اپنا جو پیماں بھول گئے
اس قصے میں اب کیا لطف رہا جس قصے کا عنواں بھول گئے

مقدور تھا جتنا کانٹوں کا پھولوں کی حفاظت کرتے رہے
جب فرض کوا پنے گلشن میں گلشن کے نگہباں بھول گئے

طوفاں میں گھری تھی جب کشتی ملاح کی منت کرتے تھے
ساحل پہ جو کشتی آپہونچی ملاح کا احساں بھول گئے

اے اہل چمن میں کیا کہدوں جو مجھ کو سنا کر کوئی کہے
تخریب کا پہلو یاد رہا تعمیر کا پہلو بھول گئے

کل لذت عصیاں کی خاطر پھرتے تھے تلاش عصیاں میں
اب گھر کے ہجوم عصیاں میں ہم لذت عصیاں بھول گئے

اس موسم گل میں بھی آخر کیوں باغ سے اپنے غافل ہو
جو دل میں نہاں تھے وقت خزاں کیا آج وہ ارماں بھول گئے

اے دست ہوس ہو تیرا بھلا کچھ پھول زمیں پر گر ہی پڑے
افسوس کہ وقت گل چینی ہم وسعت داماں بھول گئے

گل کرنے پہ کیوں آمادہ ہو جینے دو چراغ محفل کو
دل جس میں الجھتا تھا کیا وہ تاریکیٔ زنداں بھول گئے

کیوں دیکھ کے مجھ کو ساحل پر یہ عالم حدت طاری ہے
جو راہ میں میری آئے تھے کیا آپ وہ طوفاں بھول گئے

پوچھو نہ مرا تم حال زبوں بس اتنا سمجھ لو اے ساقیؔ
امید تھی جن سے درماں کی وہ درد کا درماں بھول گئے

---

(۲)

غزل

ابھرتے چاندستاروں کا تذکرہ بھی کرو
خزاں کے ساتھ بہاروں کا تذکرہ بھی کرو
گلوں کی چھاؤں میں آرام کرنے والوں کبھی
ہماری راہ کے خاروں کا تذکرہ بھی کرو
ہمیشہ سیل و تلاطم کا ذکرتے ہو
سکوں بدوش کناروں کا تذکرہ بھی کرو
فلک کے چاندستاروں کی بات کرتے ہو
زمیں کے چاندستاروں کا تذکرہ بھی کرو
رباب وچنگ کے نغموں سے گر ملے فرصت
کبھی نصیب کے ماروں کا تذکرہ بھی کرو
خزاں کی گود میں اے آنکھ کھولنے والوں
نظر نواز بہاروں کا تذکرہ بھی کرو

جفائے غیر پہ ماتم تو کرتے رہتے ہو
خود اپنے تیر سے ماروں کا تذکرہ بھی کرو
حسین چاندنی راتوں میں کھیلنے والو!
سحر کے ڈوبتے تاروں کا تذکرہ بھی کرو
ہمیشہ ذکر شب تار کس لئے ساقی
کبھی سحر کے نظاروں کا تذکرہ بھی کرو

---

(۳)

غزل

جہاں نفاق کے شعلے ملیں بجھا کے چلو
چراغ امن ون محبت کا تم جلا کے چلو
تمھارے بعد بھی آئینگے قافلے یاروں
ملیں جو راہ میں کانٹے انھیں ہٹا کے چلو

نہ میکدے سے کبھی کوئی تشنہ کام پھرے
نظام میکدہ ایسا تو کچھ بنا کے چلو
ابھی تو کام انھیں بھی بہت سے باقی ہیں
نمود صبح ہے سوتوں کو بھی جگا کے چلو
اشارہ وقت کا یہ ہے کہ اے جہاں والو
نیاز و ناز کی تفریق کو مٹا کے چلو
مزا تو ہنسنے کا جب ہے کہ اپنے ساتھ ذرا
غم زمانہ کے ماروں کو بھی ہنسا کے چلو
تمھیں بھی زندگیٔ جاویداں میسر ہو
وفا کی راہ میں دل کو اگر لٹا کے چلو
پہاڑ روک لیں رستہ تو کوہ کن بن جا
جو آئے راہ میں دریا تو پل بنا کے چلو
ہر ایک راہ نظر آئے کہکشاں کی طرح
زمیں ہند کو تم آسماں بنا کے چلو
ملے ہیں ہوش و خرد اس لئے تمھیں ساقیؔ
جنوں کی راہ میں ہوش و خرد لٹا کے چلو

---

(۴)

غزل

چمن میں آتے ہی دشت بلاکوبھول گئے
شکم جو سیر ہوا تم گدا کو بھول گئے
نجات ہم کومرض سے ملے توکیسے ملے
کہ چارہ ساز ہماری دوا کو بھول گئے
حیاکے مارے جو آنکھیں نہ چار کرتے تھے
وہ پھول بنتے ہی غنچے حیا کو بھول گئے
گلہ کرنے نہ تہی دستیٔ فقیر کہیں
تم اپنے درکے پرانے گداکوبھول گئے
جونام رکھتے تھے اوروں کی بے وفائی پر
غضب ہے آج وہ رسم وفا کو بھول گئے
وہ کیسے لالہ وگل کامزاج سمجھیں گے
جواپنے باغ کی آب و ہوا کوبھول گئے

نظر سے گرنے کا شکوہ تو خار کرتے ہیں
مگر وہ اپنی سرشت جفا کو بھول گئے

یہ امتیاز امیر و غریب ہے کہ نہیں
کہ حکم یاد رہا التجا کو بھول گئے

وہ ناسپاس بھلا کس کے کام آئینگے
اتر کے ناؤ سے جو ناخدا کو بھول گئے

بہت عزیز تھے جو ہمنوا سفر میں تمھیں
سفر کے ختم پہ وہ ہمنوا کو بھول گئے

نہ مستی سحری ہے نہ سوز شب ساقی
بتوں کی یاد میں تم تو خدا کو بھول گئے

---

(۵)

غزل

اب بھی آلام زمانہ سے مفر ہے کہ نہیں
کس سے پوچھوں کہ شب غم کی سحر ہے کہ نہیں
تم کو اپنانے کی سب کوششیں ناکام ہوئیں
دیکھنا ہے کہ دعا میں بھی اثر ہے کہ نہیں
تیرے میخانے میں پیاسوں کو نہیں ملتی مئے
پیر میخانہ تجھے اس کی خبر ہے کہ نہیں
آج کے دور میں یہ سوچنا ہی پڑتا ہے
ہم سے مجبوروں کی دنیا میں گذر ہے کہ نہیں
باغباں میری تسلی کے لئے اتنا بتا
بجلیوں سے میرے گلشن کو مفر ہے کہ نہیں
پھوٹتی کونپلیں پودوں کی جو تم توڑو گے
اس میں خود اپنے گلستا کا ضرر ہے کہ نہیں

اف وہ بیمار کہ جسکو نہیں ساقیؔ معلوم
چارہ گر کو بھی بھلا اس کی خبر ہے کہ نہیں

.....

(٦)

غزل

ناؤ طوفان میں جب زیر و زبر ہوتی ہے
ناخدا پر کبھی موجوں پہ نظر ہوتی ہے
دور ہے منزل مقصود سفر ہے در پیش
سونے والوں کو جگادو کہ سحر ہوتی ہے
اور بڑھ جاتی ہے کچھ قوت احساس عمل
جتنی دشوار میری راہ گزر ہوتی ہے
گھر کے چھٹنے کا اثر عالم غربت کا خیال
کیفیت دل کی عجب وقت سفر ہوتی ہے

عزم کہتا ہے میرا، میں بھی تو دیکھوں آخر
کون سی ہے وہ مہم جو کہ نہیں سر ہوتی ہے
کیا گذرتی ہے گلوں پر کوئی انسے پوچھے
نام گلشن کا ہے کانٹوں میں بسر ہوتی ہے
جس کا مارا ہوا اٹھ کر نہ پئے پانی بھی
کتنی معصوم بظاہر وہ نظر ہوتی ہے
کون ہوتا ہے غریب الوطنی میں ساقیؔ
ساتھ لے دیکے فقط گرد سفر ہوتی ہے

---

(۷)

غزل

مذاق زاہد ناداں کو اپنانے کہاں جاتے
حرم کی سمت ہم جھکتے تو بت خانے کہاں جاتے
بھلا ہو دشت و صحرا کا جنوں کی رہ گئی عزت
نہ ہوتے دشت و صحرا گر تو دیوانے کہاں جاتے

مختصر رہا۔

ساقی لکھنوی نے اپنے زیادہ تر کلام میں زندگی کی محرومی اور نا آسودگی کو بے تکلف طریقہ سے اپنی غزلوں میں پیش کیا ہے یہ سچ ہے کہ وہ بے لوث محبت کرنے والے اور انسانیت سے پیار کرنے والے سچے مسلمان تھے، عزیز ہو یا غیر: سب کے دکھ کو وہ اپنا دکھ اور دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرتے تھے اور دام درہم سخن جو کچھ ان سے اور ان کی اہلیہ حمیدہ بیگم صاحبہ سے ہو سکتا تھا ہر وقت ہر ایک کی مدد کو تیار رہتے تھے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان کو اس دنیا میں اسکا صلہ نہ ملا دعا ہے کہ خداوند عالم ان لوگوں کو بطفیل محمد و آل محمد علیہم السلام اس کا اجر عطا فرمائے۔ (آمین)

ہمدردی ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی کسی کی بھی تکلیف وہ دیکھ نہیں سکتے تھے، انسانیت سے پیار اُنکا مشغلہ تھا۔

اپنی فنکارانہ کاوشوں میں ادب کی افادیت کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے اُردو سے انھیں پیار تھا، اردو زبان کے لئے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے تھے، اپنے شعروں میں سماجی افادیت اور حقیقت نگاری کی ضرورت پر ہمیشہ کوشاں رہے یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری دلوں کو چھوتی ہے۔

جہانِ عہدو پیماں میں نہ رکھتے گر قدم ہم تم
مرتب جن کو ہونا تھا وہ افسانے کہاں جاتے
جو پی لیتے تیرے ہاتھوں سے لیکر مئے تو اے ساقی
تیری آنکھوں کے یہ لبریز پیمانے کہاں جاتے
ہے تیری بندگی لازم مگر تو ہی بتا یارب
تجھی کو سجدہ سب کرتے تو بت خانے کہاں جاتے
میری صحرانوردی میں ہزاروں راز پنہاں تھے
میری وحشت نہ کام آتی تو ویرانے کہاں جاتے
جو آجاتے تیری باتوں میں ہم سے رند بھی زاہد
تیری عصمت کے شاہد پھر یہ میخانے کہاں جاتے
تھا غمخوار اپنا اس بھری محفل کوئی بھی
جو جاتے بھی تو ہم دل اپنا بہلانے کہاں جاتے
اگر ذوق جبیں ساقی کو تیرا در نہ مل جاتا
تو ہی کہدے کہ سر ہم اپنا ٹکرانے کہاں جاتے
ہے احساں ناخدا کا مل گیا ساحل ہمیں ورنہ
پھنسے تھے موج طوفاں میں خدا جانے کہاں جاتے

خود اپنی شمع کی آنکھوں سے بہتے دیکھ کر آنسو
نہ جل کر جان دیدیتے تو پروانے کہاں جاتے
نہ کی کچھ اعتنا ہم نے برا کہنے پہ دنیا کے
کہ دامن اپنا ہم کانٹوں میں الجھانے کہاں جاتے
زمانہ تھا مخالف اور ساقیؔ بخت برگشتہ
کسی کے در سے اٹھ کر ٹھوکریں کھانے کہاں جاتے

---

(۸)

غزل

غم عشق ہی گلے کا تیرے ہار ہو نہ جائے
تری زندگی تجھی کو کہیں بار ہو نہ جائے
مجھے فکر تھی کہ مجھکو کہیں ہار ہو نہ جائے
تھا بھنور کو خوف کشتی کہیں پار ہو نہ جائے
بڑی جانفشانیوں سے جسے لائے ہو چمن میں
کہیں پھر خفا چمن سے وہ بہار ہو نہ جائے

کہیں ٹھیس لگ نہ جائے ہے مزاج عشق نازک
ترا اتحاد پیہم کہیں بار ہو نہ جائے
مری ضد بڑھا نہ زاہد مجھے ڈر یہ ہو رہا ہے
مجھے میکدہ سے اک دن کہیں پیار ہو نہ جائے
تیرے دل میں چبھ نہ جائے کہیں اس کا رنگ ونکہت
جسے گل سمجھ رہا ہے وہی خار ہو نہ جائے
تیری نیند بڑھ رہی ہے ذرا ہوشیار ہو جا
کہ کہیں یہ صبح روشن شب تار ہو نہ جائے
میری آج آن رکھ لو میرے سامنے نہ آؤ
کہ خودی کا سر کہیں خم سردار ہو نہ جائے
یہی سوچ کر ہمیشہ رہی احتیاط مجھکو
میرا آشیاں چمن پر کہیں بار ہو نہ جائے
رہے یہ خیال اے دل تیری آزمائشیں ہیں
کہیں بازئ وفا میں تجھے ہار ہو نہ جائے
جو پتہ بتا رہا ہے تجھے کاروں کا ساقی
ذرا تیز چل کہ غائب وہ غبار ہو نہ جائے

(۹)

غزل

بہار بن کے اٹھو پیکر خزاں نہ بنو
پیام وقت بنو کہنہ داستاں نہ بنو
جو مہرباں نہیں بنتے تو مہرباں نہ بنو
مگر عدوئے دلِ جانِ دوستاں نہ بنو
حیات اپنے عمل سے نصیب ہوتی ہے
حیات کیلئے محتاج دیگراں نہ بنو
وقار اہل چمن ہے چمن سے وابستہ
بنو جو چاہے مگر ننگ گلستاں نہ بنو
سلیقہ چاہئے تنظیم گلستاں کیلئے
سلیقہ گر نہیں تم کو تو باغباں نہ بنو
جو سب کے دل کی صدا ہو وہ بات منھ سے کہو
خود اپنے دل ہی کے تم صرف ترجماں نہ بنو

جو اہل قافلہ کو تم پہ اعتبار نہیں
تو مصلحت ہے یہی میر کارواں نہ بنو
تمھیں کو اپنا بنانے کی سعی ہے دن رات
تمھیں کہیں سبب سعی رائیگاں نہ بنو
قدم سے عصر رواں کے قدم ملا کے چلو
دلیل راہ بنو گرد کارواں نہ بنو
ملی ہے اس لئے آزدی ٔ ضمیر وخیال
کہ وقت پرسش احوال بے زباں نہ بنو
تمھیں کچلنے کا پیدا خیال ہو دل میں
نگاہ غیر میں. اتنے بھی ناتواں نہ بنو
ہر اک گلے کا بنو ہار تم بصورت گل
مثال خار بیاباں عدوئے جاں نہ بنو
اشارہ کرتی ساقی کسی کی شوخ نگہہ
زباں جو رکھتے ہو منھ میں تو بے زبان نہ بنو

---

(۱۰)

غزل

وہ جوش وہ خروش وہ عزم جواں نہیں
دریائے زندگی تو ہے لیکن رواں نہیں

شاید کہ بجھ رہا ہے چراغ حیات دل
پہلی سی اب وہ لذت سوز جہاں نہیں

کچھ عرض حال کی ہو اجازت مجھے کہ میں
خاموش ہوں ضرور مگر بے زباں نہیں

کلیاں ترس رہی ہیں تبسم کے واسطے
کہنے کو گلستاں ہے مگر گلستاں نہیں

ہے کارواں سے قدر تیری میر کارواں
تیرا وجود کچھ نہیں گر کا رواں نہیں

اک باغباں کہ رکھتا ہے سو بدگمانیاں
اک ہم کہ باغباں سے کبھی بدگماں نہیں

رنگینیٔ بہار گلستاں ہمیں سے ہے
لیکن ہمیں پہ کیوں نگہِ باغباں نہیں
عزم بلند و یاد وطن ہیں شریک راہ
ساقیؔ سفر میں یوسف بے کارواں نہیں

---

(۱۱)

غزل

خلوص دل کوفریب ادانے لوٹ لیا
وفاکے پردے میں اک بے وفانے لوٹ لیا
ادائے جلوۂ معصوم کرگئی سرمست
خیال زہدکواک پارسانے لوٹ لیا
اٹھا جو جھوم کے بادل تودل بھی لہرایا
ہماری توبہ کوکالی گھٹانے لوٹ لیا

وہ دل کہ جس کو لگائے ہوئے تھے سینے سے
اسی کو آپ کی کافر ادا نے لوٹ لیا
جفا بھی کر کے جو نظروں میں بے خطا ٹھہرا
متاع دل کو اسی بے خطا نے لوٹ لیا
ملا تھا خواب میں جو اک سکون کا لمحہ
جگا کے اس کو بھی باد صبا نے لوٹ لیا
جھٹک سکی نہ حیا سے جو دست گلچیں کو
کلی کو آپ، کلی کی حیا نے لوٹ لیا
لیا تھا ساتھ جسے ہم نے رہبری کیلئے
ستم تو یہ ہے اسی رہنما نے لوٹ لیا
متاع ہوش کہاں اپنے پاس اے ہمدم
متاع ہوش کو اک دل ربا نے لوٹ لیا
رہی نہ چاند میں پہلی سی روشنی باقی
ضیائے ماہ کو اک مہ لقا نے لوٹ لیا
گلہ کریں تو کریں کس سے جا کے ہم ساقیؔ
کہ ہم کو آپ ہماری وفا نے لوٹ لیا

(۱۲)

غزل

جب کبھی کھلتی کلی کوئی نظر آتی ہے
یادمرجھائے ہوئے پھولوں کی آجاتی ہے

اپنے آگے نہیں خطراتی کسی کوتدبیر
نام تقدیر کا آتا ہے تو جھنجلاتی ہے

ایک حالت پہ نہیں رہتی ہے قائم دینا
کبھی شبنم کبھی شعلہ وہ نظر آتی ہے

کہدو احساس عمل سے ذرا ہوشیار رہے
زندگی وقت کے طوفان سے ٹکراتی ہے

دورنظروں سے مری ہوتے ہو جب تم اے دوست
ساری دنیا مجھے ویران نظر آتی ہے

ہم نے دیکھا ہے قلم ہوتے اسی شاخ کا سر
اپنی چادر سے سوا پیر جو پھیلاتی ہے

جس میں اسلاف کی سیرت کے نمایاں تھے نقوش
عہد ماضی کی وہ تصویر مٹی جاتی ہے

جانے کیا باتیں کیا کرتا ہوں پہروں دل سے
اپنی حالت پہ مجھے آپ ہنسی آتی ہے

ہم کو ہی اہل چمن غوریہ کرنا ہوگا
کیوں بہار آکے گلستاں سے چلی جاتی ہے

فرش پر پھولوں کے آرام سے سونے والو!
زندگی کانٹوں میں رہ کر بھی گذر جاتی ہے

دیکھنا در پہ کوئی صاحب حاجت تو نہیں
کس کی رہ رہ کے یہ کانوں میں صدا آتی ہے

شمع ہی تھی شب تاریک میں اک مونس غم
لیجئے وہ بھی سرشام بجھی جاتی ہے

موج ساحل سے کیوں ٹکراتی ہے سر کو اپنے
یاد کیا، ڈوبی ہوئی ناؤ، کوئی آتی ہے

زندگی کیلئے تقسیم عمل ہے لازم
پھول کی خوشبو صبا چار سو پھیلاتی ہے

ان کے اشعار اُن کے ذہن اوران کے دل کی عکاسی کرتے ہیں انھیں نے آزاد شاعری اورنثری غزل سے اپنے کو ہمیشہ دور رکھا جبکہ ان کے دور میں نثری شاعری کا چلن عام ہو چکا تھا۔

پیش کردہ

شمیم حیدری بیگم کرنل سید محمد حسن رضوی صاحب
بنت جناب سید ابن علی صاحب ایڈوکیٹ صحنی لکھنوی
اندرانگر بلاک نمبر A-529 لکھنؤ

۲۰۰۹ء

جستجو میں تری سرگرداں پھرے گی اک دن
وہی دنیا کہ جو ساقیؔ تجھے ٹھکراتی ہے

---

(۱۳)

غزل

ہم الجھی ہوئی گتھی کو سلجھا کے چلے ہیں
منزل پہ تمھاری تمھیں پہونچا کے چلے ہیں
منزل کی مسافت کا بھلا لطف انھیں کیا
ہر چار قدم بعد جو سستا کے چلے ہیں
ڈھونڈیں گے وہی کل میرے ہر نقش قدم کو
جو آج میری راہ سے کترا کے چلے ہیں
اے اہل چمن خیر تو ہے میرے چمن کی
کیوں سوئے چمن آپ یوں گھبرا کے چلے ہیں

گھر چھوڑ کے پردیس انھیں جانا پڑا ہے
دیواروں سے سر اپنا وہ ٹکرا کے چلے ہیں
پامردی و ثابت قدمی شرط سفر ہے
گر پڑتے ہیں اکثر وہ جو گھبرا کے چلے ہیں
شاید کوئی گم گشتہ مسافر ادھر آجائے
ہر موڑ پر ہم قافلہ ٹھہرا کے چلے ہیں
وابستہ چمن بندی کی امیدیں تھی جن سے
شیرازۂ گلشن وہی بکھرا کے چلے ہیں
کیا پھر نہ کبھی آئیگی اب فصل بہاراں
دیوانے گریبان کیوں سلوا کے چلے ہیں
ہمت جنھیں دو گام بھی چلنے کی نہیں ہے
ہم راہ عمل میں انھیں دوڑا کے چلے ہیں
میخاروں کو تم یاد بہت آئے ہو ساقی
جب دَور کبھی ساغر و مینا کے چلے ہیں

---

(۱۴)

غزل

یوں پلٹی ہے ہر ایک دعا باب اثر سے
جیسے کوئی نا کام چلا آئے سفر سے

ہوجائے عیاں تم پہ بھی دنیا کی حقیقت
دینا کو اگر دیکھ لو تم میری نظر سے

یہ بات الگ ہے کہ نہیں فرصت پرسش
واقف تو یہ دنیا ہے میرے درد جگر سے

جو کر نہ سکا اپنی ہی شاخوں کی حفاظت
کیوں چھاؤں کی امید ہو اس خشک شجر سے

حیوانوں کو انسانوں سے بہتر جہاں پایا
کچھ ایسے مقامات بھی گذرے ہیں نظر سے

اے پیرمغاں کیا یہی انصاف ہے تیرا
سیراب کوئی ہو کوئی اک بوند کو ترسے

اے شوق سفر راہ دکھا بڑھ کے تو آگے
میں پہلے پہل نکلا ہوں پردیس کو گھر سے

ہم اہل چمن کہتے نہ تھے دور خزاں میں
ٹل جائے گی اک دن یہ بلا آپ ہی سر سے

اک بار تو پھر دیکھ لوں میں خاک نشیمن
صیاد خدارا مجھے لے چل تو ادھر سے

اس راہ میں پھر کوئی نظر آیا نہ کانٹا
دیوانہ تیرا گذرا ہے جس راہ گذر سے

اک رات کی دوری تھی کہ برسوں کی جدائی
سورج کی کرن دوڑ کے جا لپٹی سحر سے

باہوش ہی روتے ہیں شب و روز کا رونا
دیوانے کو مطلب نہیں کچھ شام و سحر سے

کیوں اہل چمن اوس پڑی جاتی ہے تم پر؟
بوچھار بھی آئے گی ذرا پانی تو برسے

شاید تمھیں ساقیؔ کی ہو پھر کل بھی ضرورت
کیوں آج گراتے ہو اسے اپنی نظر سے

(۱۵)

غزل

وہ نخل ہے بدنصیب یارو! کہ جس میں کوئی ثمر نہیں ہے
چراغ روشن نہ ہو جہاں پر وہ گھر بیاباں ہے گھر نہیں ہے

عجب ہے نیرنگیٔ زمانہ چمن میں رہ کر بھی آج یارو
خبر ہماری نہیں چمن کو۔ چمن کی ہم کو خبر نہیں ہے

مجھے بنانا ہے آشیانہ ہے ننگ ہمت جو میں یہ پوچھوں
مرے رفیقوں کی آندھیوں کا کہاں کہاں پر گذر نہیں ہے

نگاہ ان کی سکوت انکار یہ کر رہا ہے گمان پیدا
جو تیرے دل کو لگی ہے اے دل وہ بات شاید اُدھر نہیں ہے

ہواؤں کا رُخ بدل گیا ہے گلوں کے چہرے اتر گئے ہیں
غلط یہ سمجھا ہے باغباں تو گلوں کے دل پر اثر نہیں ہے

تھکا تھکا سا وہ آ رہا ہے اسے تو سائے کی ہے ضرورت
کہاں پہ ٹھہرے بھلا مسافر کہ راستہ میں شجر نہیں ہے

یہ خوف کیسا ہراس کیسا مصیبتیں ہیں یہ چند روزہ
غلط ہے اے دل خیال کرنا کہ شام غم کی سحر نہیں ہے
تلاش منزل اگر ہے تم کو تو پھر تذبذب عبث ہے ساقی
چلے بھی آؤ ہمارے پیچھے ہماری رہ میں خطر نہیں ہے

علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام علیہ السلام

---

(۱۶)

غزل

ہم ان کی بزم سے یوں آج اشکبار آئے
کہ جیسے جیتا ہوا کھیل کوئی ہار آئے
بدل سکے گا نہ اپنی سرشت کو گلچیں
خزاں کا دور ہو یا موسم بہار آئے
رُلایا ہم کو زمانے نے آٹھ آٹھ آنسو
کبھی جو ہم تیری محفل سے خندہ بار آئے
ترے بغیر جو اے دل تھی زندگی بے کیف
کہاں کہاں نہ تجھے جا کے ہم پکار آئے

حواس وہوش کی دنیا کو لوٹنے والے
میری طرح نہ تجھے بھی کبھی قرار آئے
جس آشیاں سے تھی کاوش وہ ہوگیا برباد
کوئی پکار کے کہہ دے کہ اب بہار آئے
جو رہ گیا ہو کوئی دل میں اور بھی ارماں
شب الم سے کہو پھر وہ ایک بار آئے
نظر سے ان کی نظر مل کے یوں قدم بہکے
شراب پی کے کوئی جیسے مئے گسار آئے
اندھیرے گھر میں کبھی اپنے بھی جلے گا چراغ
اس امید میں ہم زندگی گزار آئے
کبھی جو سجدہ کیا بھی تو یہ سمجھ کے کیا
کہ ایک بوجھ تھا جو سر سے ہم اتار آئے
بہار کہتے ہیں کس کو خبر نہیں ساقی
دِکھانا ہم کو بھی جب باغ میں بہار آئے
ہمارے سامنے ساقی نہ ٹک سکا کوئی
یوں میکدہ میں ہزاروں ہی بادہ خوار آئے

(۱۷)

غزل

منزل عزم جنوں اہل سفر دور نہیں
اپنی پرواز سے اب شمس و قمر دور نہیں
آشیاں بن تو گیا فکر یہ لیکن نہ گئی
برق کی زد سے کوئی شاخ شجر دور نہیں
قربت لالہ وگل راس نہ آئے گی تمھیں
بلبلوں باغ سے صیاد کا گھر دور نہیں
ہاتھ پھیلائے ہوئے کوسوں چلے آئے ہیں
ہم فقیروں کے لئے آپ کا گھر دور نہیں
کیا یہ سچ ہے شب غم اس کا یقیں دل کر لے
ڈوبتے تارے یہ کہتے ہیں سحر دور نہیں
زہر تو زہر ہے اے دوست مگر دیکھا ہے
تلخ باتوں کا بھی ہوتا ہے اثر دور نہیں
دیدے آواز تو ساقی کو پلٹ آئیگا
پہونچا ہوگا ابھی تفشیدہ جگر دور نہیں

---

(۱۸)

غزل

ہزار چین ملے ہے سفر سفر پھر بھی
کہاں وہ گھر کا سکوں اپنا گھر ہے گھر پھر بھی

بہ پاس شرم زباں سے نہ اعتراف کیا
چھپا سکے نہ محبت کی وہ نظر پھر بھی

میرے نصیب نے طعنے مجھے ہزار دئے
اٹھایا آپ کے در سے نہ میں نے سر پھر بھی

گلوں نے خار چھپائے ہیں اپنے دامن میں
گلوں کو لوگ سمجھتے ہیں بے ضرر پھر بھی

یہ مانتا ہوں قفس سے نکل نہیں سکتا
ہے دل میں شورش ارمان بال و پر پھر بھی

تجھی نے راہ سے بے راہ کر دیا اے دل
تجھی کو اپنا سمجھتا ہوں راہبر پھر بھی

ہر ایک گام پہ کھاتا ہوں ٹھوکریں ساقی
بہت عزیز ہے ظالم کی رہ گذر پھر بھی

---

(۱۹)

غزل

شام غم اور بھی تاریک ہوئی جاتی ہے
شمع امید تو کس وقت بجھی جاتی ہے
کانٹے چبھ جاتے ہیں جب پھول کوئی چھوتا ہوں
اک تماشہ میری تقدیر بنی جاتی ہے
اختیارات جو ہوتے ہیں بشر کو حاصل
اس گھڑی ظلم کی بنیاد رکھی جاتی ہے
دے رہے ہیں وہ مجھے دامن رنگیں کی ہوا
اب تو جنت مجھے دنیا میں ملی جاتی ہے

کلام

ساقی لکھنوی

حصہ اول

قومی وملّی نظمیں وترانے

عنوان	
مادر ہند کا خطاب	جھلک رہی ہے افق کے حسیں جھروکے سے
پیغام شوق	یہی ہے وقت کہ پیغام شوق پہونچادیں
دیوالی	وہ ایک رسم سہی پھر بھی فرض تھا میرا
شمیم کرہانی قطعہ تاریخ	وہ ایک شاعر فطرت وہ ایک ادیب عظیم
روز عید	عید اک تحفۂ رحمت ہے برائے انساں
آواز وطن	ہماری غیرت قومی کا امتحان نہ لے

میرے مٹنے سے میرے گھر کے اجڑ جانے سے
اہل دنیا تمھیں عبرت تو ہوئی جاتی ہے

عہد حاضر میں سمجھ لو کہ نظام کہنہ
ایک بوسیدہ عمارت تھی گری جاتی ہے

قوت عزم و عمل بڑھ کے سہارا دیدے
زندگی گردش دوراں میں پسی جاتی ہے

ہم غریبوں کی ہر اک بات پہ ہنسنے والو!
بات کے پیچھے کبھی جان چلی جاتی ہے

ناخدا چونک کہ آجائے نہ تجھ پر کوئی حرف
ناؤ گردابِ حوادث میں گھری جاتی ہے

ڈر رہا ہوں کہ یہ آغاز محبت تو نہیں
ان کی ہر ایک ادا دل میں چبھی جاتی ہے

دیدنی ہے میری تقدیر کی شوخی ساقی
چھڑ تقدیر سے دن رات چلی جاتی ہے

(۲۰)

غزل

کسی کی چاہ میں دن رات بے قرار ہوئے
خود اپنے تیر سے ہم آپ ہی شکار ہوئے

تمام عمر خزاں میں گذار دی ہم نے
خدا کا شکر نہ شرمندۂ بہار ہوئے

کسی پہ حرف جو آنے کا احتمال رہا
تو زخم دل نہ زمانے پہ آشکار آئے

یہ چوس لیتے ہیں خوں تک یہ خار میں گلچیں
یہ گل نہیں ہیں کہ جو صید اعتبار ہوئے

بڑھا کے ہاتھ تغافل شعار کے آگے
ہم آپ اپنی نگاہوں میں شرمسار ہوئے

بہت عزیز تھے لمحے وہ زندگی کے ہمیں
کسی کے واسطے جو صرف انتظار ہوئے

برائے زینت صحرا جنوں کے ہاتھوں سے
نہ جانے کتنے گریبان تار تار ہوئے
جنھیں نہ تاب تھی طوفاں بدوش موجوں کی
وہ پست حوصلہ کشتی میں کیوں سوار ہوئے
بہار کو تو بہر حال پھر پلٹنا تھا
بہار کے لئے کیوں پھول سوگوار ہوئے
گناہ گر ہے محبت تو ہم بھی اے ساقی
کسی سے کر کے محبت گناہگار ہوئے

---

(۲۱)

غزل

ہر طرف خون تمنا کا رواں ہے اے دوست
آج کے دور میں انصاف کہاں ہے اے دوست

اب نشیمن نہ نشیمن کا پتہ ہے اے دوست
صحن گلشن میں ہر اک سمت دھواں ہے اے دوست

جنکی رنگینی میں کھو جائے عمل کی قوت
ان بہاروں سے کہیں اچھی خزاں ہے اے دوست

طالب امن واماں ہو کے بھی انسان افسوس
دشمن آشتی وامن واماں ہے اے دوست

شدت غم میں ہنسی منہ پہ جو آجاتی ہے
یہ بھی مجبوروں کی اک طرز فغاں ہے اے دوست

میکدہ کی نہ برائی کرو خاموش رہو
اپنے یار وہی میں تو پیر مغاں ہے اے دوست

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

راہ تاریک ہے برگشتہ مقدر بھی ہے
رات نزدیک ہے اور دور مکاں ہے اے دوست
آج بھی رشک فرشتے کریں انساں پہ مگر
آج کے دور میں انساں کہاں ہے اے دوست
تیشۂ عزم و عمل بڑھ کے اٹھالے غافل
سینۂ خاک میں گنجینہ نہاں ہے اے دوست
حال گلشن تو بیاں کرنے کی حاجت ہی نہیں
حال گلشن تو ہر اک گل سے عیاں ہے اے دوست
جس طرح پلٹا ہے ساقی تیرے در سے محروم
میری نظروں میں ابھی تک وہ سماں ہے اے دوست

---

(۲۲)

غزل

نہ کوئی جس کا سہارا ہو وہ کدھر جائے
نہ آئے موت تو بے موت کیسے مر جائے

میں اس خیال سے ان سے گلہ نہیں کرتا
کہیں نہ پھول سے چہرے کا رنگ اتر جائے

تو ہی بتادے مجھے بیکسی منزل شوق
جو راہ سے بھی ناواقف ہو وہ کدھر جائے

ہزاروں طور بنیں چشم معرفت کیلے
جہاں جہاں تیری معجز نما نظر جائے

تجلیات سے معمور ہے ہر اک ذرہ
بلا سبب کوئی کیوں طور پر چلا جائے

مجھے علاج غم دل کی اب ضرورت کیا
کوئی یہ کہہ دے کہ بالیں سے چارہ گر جائے

بہار کیسی ، چمن کیسا ، اور فضا کیسی
سنواریں آپ جو گیسو جہاں سنور جائے
تو پی نہ اپنے یہ آنسو فراق میں ساقی
کہیں نہ زہر محبت میں کام کر جائے

---

(۲۳)

غزل

جو چھپ کے پائیں تو پینے میں ان کو عار نہیں
جناب شیخ کی باتوں کا اعتبار نہیں
وہ ایک آن سہی برق کو سکوں تو ہے
یہ میرا دل ہے کہ جس کو ذرا قرار نہیں
لبوں پہ ہلکا تبسم نگاہ شرمیلی
اسی ادا سے ذرا کہہ دو ایک بار نہیں

ہے انقلاب کا عالم کوئی پس پردہ
ہوا زمانے کی مجھکو جو ساز گار نہیں
خداہی جانے کہ اب کیا کریگا جوش جنوں
کہ اب توجیب وگریباں میں کوئی تار نہیں
تم اپنا رنگ جفا کاش دیکھ تو لیتے
یہ کیا کہا کہ مجھے دل پہ اعتبار نہیں
رگ حیات میں خوں بن کے دوڑسوزالم
کہ آج دل میں وہ پہلا سا انتشار نہیں
مزاج دہربھی اب کیابدل گیااے دوست
کہ اہل درد کا کوئی بھی غمگسار نہیں
نسیم صبح کے مانند کوئی کام توکر
چمن کو پھونکنا اے برق شاہکار نہیں
یہ میرے واسطے کیوں تنگ ہوگئی دنیا
جہاں میں اہل جہاں کیا مرا شمار نہیں
اوبے وفاترے وعدہ کابھی عجب ہے اثر
نگاہ در پہ ہے گو دل کو اعتبار نہیں

میں اپنے رنگ میں لے آؤں گا زمانے کو
مجھے حوادث عالم سے انتشار نہیں
خیال مرگ بھیانک سہی مگر اے دوست
حیات و موت پہ انساں کو اختیار نہیں
کہ آخرت کا بھی ساقیؔ خیال لازم ہے
کہ چند روز کی دنیا کا اعتبار نہیں

---

(۲۴)

غزل

خدشے تھے شام ہجر کے صبح خوشی کے ساتھ
تاریکیاں بھی پائی گئیں روشنی کے ساتھ
کب تک ملا کروگے یونہی بے رخی کے ساتھ
کب تک مذاق ہوگا میری دوستی کے ساتھ

قومی وملی نظمیں اور گیت

عنوان

(۱) مادر ہند سے خطاب:

میرے بچو!، میری ڈھارس، میرے دل کے ٹکڑوں

(۱۹۶۲ء میں کہی گئی)

ترانہ:

ہم جان وطن ہم شان وطن ہم ننھی منی کلیاں ہیں

بدیشی سام راج:

یاد تو ہوگا تجھے ساتھی بدیشی سامراج

نظم:

عاشق حسن چمن حسن چمن کی خاطر

پیام عید:

جھلک رہی افق کے حسیں جھروکے سے

جاری ہے صبح و شام جفاؤں کا سلسلہ
کتنا ہے ان کو ربط میری زندگی کے ساتھ
اب دیکھنا ہے مجھکو ترے آستاں کا ظرف
سر کو جھکا رہا ہوں بڑی عاجزی کے ساتھ
زخم جگر کھلا تو تبسم کہا گیا
انصاف ہو سکا نہ چمن میں کلی کے ساتھ
لمحے تو زندگی کے ملے ان گنت مگر
اک لمحہ بھی گزار نہ پائے خوشی کے ساتھ
صیاد اور ذکر نشیمن قفس میں خوب
یہ بھی ہے اک مذاق میری بے پری کے ساتھ
وقت سحر ہے اٹھو کمر تم بھی باندھ لو
سورج نکل رہا ہے نئی روشنی کے ساتھ
حاجت نہ دیر کی نہ حرم کی تلاش ہو
ہو ذوق بندگی بھی اگر بندگی کے ساتھ
یہ ہے زمین عرش نہیں ہے فلک یہاں
دو گام چل سکے گا نہ تو آدمی کے ساتھ

ساقی ہر اک کے بس کا نہیں کار میکشی
آداب میکشی بھی ہیں کچھ میکشی کے ساتھ

---

(۲۵)

غزل

رکھ لیتے دل جو آپ ہمارا کبھی کبھی
مل جاتا زندگی کا سہارا کبھی کبھی

ہوتی ہے جس کنارے کی طوفاں میں آرزو
بنتا ہے راہزن وہ کنارا کبھی کبھی

وعدہ خلاف تم کو سمجھنے کے بعد بھی
کرنا پڑا یقین تمھارا کبھی کبھی

بن جاؤنگا میں شوق میں آئینہ طور کا
برق جمال ادھر بھی اشارہ کبھی کبھی

موجوں کے اضطراب کو طوفاں میں دیکھ کر
رخ اپنا پھیر لیتا ہے دھارا کبھی کبھی

یوں ناامیدیوں میں ہے امید کی جھلک
بدلی میں جیسے چمکے ستارا کبھی کبھی

وحشت کو مری فصل بہاراں کے ماسوا
کانٹوں نے بھی دیا ہے سہارا کبھی کبھی

آزار ہجر ہم کو نہ ہوتا خطا معاف
زحمت جو آپ کرتے گوارا کبھی کبھی

سباقیؔ غریق بحر محبت کے واسطے
دھارا بھی بن گیا ہے کنارا کبھی کبھی

---

(۲۶)

غزل

ڈھونڈھتا ہوں روز و شب لیکن نشاں ملتا نہیں
کارواں سے چھٹ گیا ہوں کارواں ملتا نہیں

وقت کی خوبی کہوں اس کو کہ میں اپنا نصیب
آشیانے میں بھی لطف آشیاں ملتا نہیں

عزم محکم ہو تو کھنچ آتی ہے منزل خود قریب
پست ہمت کو تو منزل کا نشاں ملتا نہیں

طائرِ بے خانماں کی کس طرح گذرے گی رات
شام ہوتی جارہی ہے آشیاں ملتا نہیں

دوسروں کی آگ میں جلنا بہت دشوار ہے
آشنا ملتے ہیں لیکن رازداں ملتا نہیں

امتیاز خار و گل جس کی نظر میں عیب ہو
باغ پرور کوئی ایسا باغباں ملتا نہیں

ہر طرف گندم نما پھیلے ہیں ساقیؔ جَو فروش
راہزن ملتے ہیں میر کارواں ملتا نہیں

(۲۷)

غزل

رہاہوں میں گل وبلبل کارازداں برسوں
کریگا یاد مجھے میرا گلستاں برسوں
جس اہتمام سے لوٹا تھا میرا آکے چمن
اس اہتمام سے آئی نہ پھر خزاں برسوں
تڑپ کے رہ گئی سجدے کو میری پیشانی
بہت تلاش کیا تیرا آستاں برسوں
کسی برس کی میر ی تشنگی وغربت پر
خداگواہ کہ رویاہے آسماں برسوں
اسی نے لوٹ لیابڑھ کے ہم غریبوں کو
جسے سمجھتے رہے میرکارواں برسوں
تلاش عہد وفا کیلئے زمانے میں
پھرا ہوں ٹھوکریں کھاتا کہاں کہاں برسوں

وہ نامراد ہوں ناکامیوں کے بعد جسے
رہی ہے کاوش تعمیر آشیاں برسوں
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے ہیں جہاں
ہمیں رہے ہیں وہاں میرکارواں برسوں
جولکھ گیاہے کوئی اپنے خون سے ساقی
جہاں کو یاد رہے گی وہ داستاں برسوں

---

(۲۸)

غزل

بپاس خاطر احباب ذکر جام توہے
برائے نام سہی لب پہ مئے کانام توہے
کلی کھلے نہ کھلے گل ہنسے ہنسے نہ ہنسے
میرے چمن میں بہاروں کااحترام توہے

ہمیں بھی وادیٔ گل سے ہے باغباں نسبت
کہ چار تنکے سہی آشیاں کا نام تو ہے
خوشی تیری ہے کہ روشن رکھے کہ گل کردے
میری طرف سے چراغوں کا اہتمام تو ہے
حیات ملتی ہے راہ خدا میں ہوکے فنا
کہ طور جل گیا لیکن جہاں میں نام تو ہے
بھلا ہوائے میری تہذیب نو کہ محفل میں
کچھ اور ہو کہ نہ ہو مئے کا احترام تو ہے
فریب شوق تکلم ہو یا طلسم خیال
شب الم میں کوئی مجھ سے ہمکلام تو ہے
بہت ہی تلخ سہی یاد عہد رفتہ مگر
ہمارے دل کے بہلنے کا انتظام تو ہے
ملا نہ کیف سحر گر تو کیا ہو اساقی
میرے نصیب میں افسردگیٔ شام تو ہے

(۲۹)

غزل

وہ نورونکہت گل ہے نہ رنگ شبنم ہے
بہار کہتے ہیں جسکوخزاں کاماتم ہے
ہمارے دردنہاں کوسمجھ نہیں سکتا
یہ وقت جس کی ابھی وسعت نظرکم ہے
یہ اپنے اپنے سمجھنے کاڈھنگ ہے ورنہ
عدوہے کوئی کسی کانہ کوئی ہمدم ہے
یہ میکدہ ہے ارے شیخ میرے ساقی کا
یہاں شراب کی ہربوندآب زم زم ہے
نہ گل ہیں خوش نہ عنادل نہ باغباں نہ صبا
میرے چمن کانہ پوچھو جو آج عالم ہے
نہ ان پہ زورہے اپنانہ دل پہ قابوہے
خداگواہ عجب بے بسی کا عالم ہے

لٹا ہے دور وطن سے یہ قافلہ کس کا
یہ کس غریب کا گھر گھر میں آج ماتم ہے
ہیں چار پھول جو خنداں تو سو ہیں پژمردہ
کوئی بتائے ہمیں کون سا یہ موسم ہے
ملی نہ ہائے تیرے گیسوؤں کی چھاؤں کبھی
اگر ہے غم کوئی ہم کو تو بس یہی غم ہے
گلے سے مل کے بہم آرزوئیں روتی ہیں
دل غریب کا سنتے ہیں آج ماتم ہے
وہ خار جورہِ غربت میں تھامے دامن
بڑا رفیق بڑا غمگسار ہمدم ہے
نہ چھیڑے کوئی کہ راہ عمل میں نکلا ہوں
بہت ہیں کام مجھے اور زندگی کم ہے
خیال لذت عصیاں ہے بعد توبہ بھی
نچوڑنے پہ بھی دامن ابھی بہت نم ہے

کچھ ایسی کھائی ہے ماحول سے شکست کہ آج
گناہ کرنے پہ مجبور ابن آدم ہے
نظر اٹھا کے جدھر دیکھتا ہوں میں ساقی
میرا کوئی بھی نہیں اس کا سارا عالم ہے

---

(۳۰)

غزل

خزاں سے بچ نہ سکا آج تک کوئی بھی چمن
وہ زندگی ہی نہیں جس میں ہوں نہ رنج و محن
جو تو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے گلشن میں
بہار آنے کو آئے چلے نسیم چمن
پڑا ہے خطرے میں ایمان خدا خیر کرے
کسی کی زلف نہیں ہے یہ ابر توبہ شکن